میرے حصے کی زمیں
میرا آسمان

شفق افتخار



شفق افتخار

میرے حصے کی زمین میرا آسماں

شاپنگ مال سے نکلتے ہوئے اس نے اپنی گاڑی کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تھی۔

"جانے ڈرائیور نے گاڑی کہاں کھڑی کر دی تھی۔"

اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے ہوئے سوچا تھا۔ ایک ہاتھ میں شولڈر بیگ اور دوسرے میں شاپنگ بیگز بہ مشکل سنبھالے ہوئے تھے۔ تب ہی اچانک ہی اس کے پاس سے گزرتے ہوئے کوئی اس سے ٹکرایا تھا۔ خود کو سنبھالنے کے چکر میں اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے شاپنگ بیگز زمین بوس ہو گئے تھے۔

"او... آئی ایم سوری مس... ریئلی سوری۔" ٹکرانے والا یقیناً" جان بوجھ کر ٹکرانے کے بعد اب معذرت کر رہا تھا۔

"اٹس اوکے۔" باوجود بے انتہا غصے کے اس نے یوں بیچ سڑک پہ بات کو بڑھانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کہنے کے بعد وہ جھک کر اپنا سامان اٹھانے لگی ٹکرانے والا بھی ساتھ ہی جھکا تھا۔

"میں نے کہا نا اٹس او کے۔" وہ قطعی انداز میں کہہ کے بیگ سے موبائل نکالنے لگی تھی تاکہ ڈرائیور کو کال کر سکے۔

"ٹھیک ہے تو پھر آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ آیئے پلیز۔" عجیب چپکو آدمی تھا۔ اسے اب الجھن ہونے لگی تھی۔

"دیکھیں مسٹر جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب آپ فضول میں مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ میرے پاس گاڑی ہے۔ میں خود جا سکتی ہوں۔ آپ پلیز جایئے یہاں سے۔" وہ قطعی انداز میں کہہ کر اپنی گاڑی کا انتظار کرنے لگی تھی جو ڈرائیور پارکنگ سے نکال کر ادھر ہی لا رہا تھا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں گی تو مجھے خوشی ہو گی۔"

وہ بندہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے بے حد پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اسے مکمل نظر انداز کیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھنا ہی چاہتی تھی کہ اس بندے نے اس کا بازو تھام کر اسے روکنا چاہا اور اب کی

ناولٹ



بار اس کا غصہ فوراً" ہی بلند ہوا تھا اور اس نے ایک زناٹے کا تھپڑ اسے کھینچ مارا تھا۔

"دور ہٹو تم گھٹیا انسان تمہارے جیسے لوگوں کو میں اچھی طرح جانتی ہوں' پہلے جان بوجھ کر لڑکیوں سے ٹکراتے ہو۔ پھر معافی کے بہانے سے ان کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہو اور پھر ہر بات کا الزام لڑکی پہ آتا ہے۔ سب لڑکیوں کو تم نے اپنا جیسا سمجھ رکھا ہے۔ جو تمہارے ایک اشارے پہ پگھل جائیں گی اور تمہارے ساتھ چل پڑیں گی۔"

شور ہنگامہ سن کر وہاں کافی لوگ اور سیکورٹی جمع ہو چکی تھی اور بندہ گال پہ ہاتھ رکھے عجیب نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ تھپڑ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا یاد رکھنا۔" سیکورٹی کے آجانے سے وہ اسے دھمکا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

"کیا ہوا میڈم؟" ڈرائیور نے اس کے پاس آکر کہا تھا۔

"کچھ نہیں چلو یہاں سے۔" وہ سر جھٹک کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"او مائی گاڈ یار۔ اسے اتنے قریب سے دیکھ کر کہیں میں بے ہوش نہ ہو جاؤں ۔"

"کون کس کی بات کر رہی ہو۔" صبا کی بات پر صلہ نے موبائل اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

"حمدان رضا کی۔ وہ دیکھو سامنے کھڑا ہے۔ بلیک جیکٹ میں۔" صبا نے نگاہوں سے ایک طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہاں ہے تو وہی۔ اتنا مشہور بندہ ہو کر یہاں اتنے عام سے فنکشن میں کیا کر رہا ہے۔"

"کمال ہے یار تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم حالانکہ تم ان کے پڑوس میں رہتی ہو۔ حمدان رضا' انکل مرتضیٰ کا بیٹا ہے بھئی۔ اب وہ اپنے گھر کا فنکشن تو اٹینڈ کرے گا چاہے وہ عام ہو یا خاص۔"

"واقعی؟" صبا کے بتانے پر صلہ کو خاصی حیرانگی ہوئی تھی۔

اسے آج تک یہ بات معلوم نہیں تھی۔ حالانکہ مرتضیٰ انکل کا گھر ان کے گھر کے بالکل سامنے ہی تو تھا۔ اور اس کے بابا اور مرتضیٰ انکل میں آپس میں کوئی رشتے داری بھی تھی۔ لیکن اس کے بابا میل جول ذرا کم ہی پسند کرتے تھے۔ سو ان کے یہاں بھی کم ہی آنا ہوتا تھا۔ تقریباً" نہ آنے کے برابر اور صلہ تو آج یہاں پہلی بار ہی آئی تھی۔

"چلو آؤ نا صلہ اس سے چل کر ملتے ہیں میرا تو یہاں آنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ شاید اس سے ملاقات ہو جائے۔" صبا اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے بھی بازو سے پکڑ کر اٹھانے لگی تھی۔

"نہیں صبا تم جاؤ۔ اچھا نہیں لگتا یار اور پھر بابا نے دیکھ لیا تو انہیں برا لگے گا' تمہیں پتا ہے نا وہ اس طرح کی باتوں کو پسند نہیں کرتے۔" صبا کے اصرار پر صلہ نے اسے کہا تھا۔

صبا اٹھ کر چلی گئی تھی اور وہ وہیں بیٹھی ادھر ادھر دیکھتی رہی تھی۔ ماما اپنی فرینڈز میں بزی تھیں اور بابا اپنے سرکل میں' وہ گھر پہ بوریت سے بچنے کے لیے یہاں آئی تھیں اور یہاں آکر بھی بور ہی ہو رہی تھی۔

"او گاڈ صلہ کیا شاندار بندہ ہے وہ۔" چند لمحوں بعد صبا آگئی تھی اور بہت ایکسائٹڈ تھی شاید حمدان رضا نے اسے زیادہ ہی لفٹ دے دی تھی۔

"یہ دیکھو۔" صبا نے اپنی موبائل اسکرین صلہ کی نگاہوں کے سامنے کی تھی۔

"اس کا نمبر اور ای میل۔"

"مگر اس نے تمہیں کیسے دے دیا فیک آئی ڈی ہو گی۔ فضول میں تمہیں پاگل بنا رہا ہو گا۔ مشہور لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" صلہ نے کچھ خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔

"لاؤ تمہارے فون میں بھی سیو کر دوں۔" صبا نے صلہ کے ہاتھ سے اس کا فون لے لیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو۔ مجھے نہیں چاہیے صبا۔" صلہ نے

اسے منع کرنا چاہا لیکن تب تک وہ حمدان رضا کا نمبر اور ای میل اس کے فون میں محفوظ کر چکی تھی۔

"بہت فضول ہو صبا تم بھی۔" صلہ نے اس کے ہاتھ سے اپنا فون چھین لیا تھا۔ جواباً" صبا مسکرا دی تھی۔ جبکہ صلہ کو پورا یقین تھا کہ آئی ڈی اور نمبر دونوں ہی فیک (نقلی) ہیں اور اس نے صبا کو الو بنایا ہے۔ ایک دن جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ اس نے ایک گریٹنگ کارڈ اس آئی ڈی پہ سینڈ کر دیا تھا بنا اپنے نام کے اور اسے حیرت تب ہوئی جب کچھ دیر بعد اس کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور نیچے حمدان رضا کے سائن تھے۔ یعنی اس کا مطلب تھا کہ حمدان رضا نے صبا کو الو نہیں بنایا تھا۔

"ہوں ان مشہور لوگوں کا کام ہی لوگوں کو پاگل بنانا ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

پھر ای میل اور فیس بک پہ کمنٹ کرتے کرتے کب اس کی حمدان سے دوستی ہو گئی پتا ہی نہیں چلا تھا۔ حمدان بس اتنا جانتا تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور وہ کس یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ نہیں جانتا تھا کچھ بھی اور نہ ہی اسے یہ پتا تھا کہ صلہ اس کے سامنے والے گھر میں رہتی ہے۔ کیونکہ صلہ کے بابا کی ناپسندیدگی کی وجہ سے ان کا ملنا ملانا ذرا کم ہی ہوتا تھا اور کچھ صلہ ہمیشہ سے اپنی پڑھائی وغیرہ میں اس قدر مصروف رہتی تھی کہ اسے ارد گرد کسی سے ملنے کا خیال ہی نہیں آتا تھا اور کچھ بابا بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اس کا فیملی اور فرینڈز میں ملنا ذرا کم ہی ہوتا تھا۔

لیکن اب حمدان اس کا دوست بن چکا تھا ایک بہت اچھا دوست جو ایک مشہور سنگر اور سیلیبرٹی ہونے کے باوجود صلہ کو اس میں وہ غرور اور گھمنڈ قطعی محسوس نہیں ہوا تھا۔ جس کا تذکرہ عموماً" اس کے بارے میں کیا جاتا تھا جہاں تک صلہ اسے سمجھ سکی

تھی اور جان پائی تھی وہ ایک اچھا اور سلجھا ہوا انسان تھا۔ عام لڑکوں کی طرح اس نے نہ تو صلہ کو دیکھنے کی خواہش کی تھی اور نہ ہی اس کی آواز سننے کی ضد وہ بس اس کا دوست تھا۔ ایک دوسرے سے بات کرنا، چھوٹے چھوٹے پرابلمز شیئر کرنا اور بس اور اس سے آگے مزید کچھ اور صلہ سوچنا اور سمجھنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ایسی کسی خواہش کی شاید اس کی زندگی میں گنجائش ہے اور نہ ہی اجازت۔ اس وقت وہ لاؤنج کے صوفے پہ دونوں پاؤں اوپر کیے، بہت ایزی ہو کر بیٹھی تھی اور گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ اس وقت وہ بس ایسے ہی اپنا اکاؤنٹ چیک کر رہی تھی۔ جب لاؤنج کا دروازہ کھول کر بابا اندر آئے تھے اور پیچھے ملازم ان کا بیگ لیے ہوئے تھا۔ وہ سیدھے وہیں چلے آئے تھے جہاں صلہ بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم بابا۔" وہ انہیں دیکھ کر لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ بیٹھی رہو بیٹا کھڑی کیوں ہو گئیں۔"

انہوں نے سلام کا جواب دے کر ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا تھا اور خود وہ سامنے رکھے ٹوسیٹر پہ بیٹھ گئے تھے۔ ملازم ان کا بیگ رکھ کر جا چکا تھا۔

"آپ چائے پئیں گے بابا یا پہلے چینج کریں گے۔" وہ واپس اپنی جگہ بیٹھ چکی تھی۔

"نہیں چینج بعد میں کرلوں گا۔ پہلے چائے پیتے ہیں۔" وہ ایزی ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ کچن میں چائے کا کہنے چلی آئی تھی۔ جہاں پہلے سے ماما، ملازمہ کے ساتھ چائے بنوا چکی تھیں اور اب بابا کو دیکھ کر ٹرالی لا رہی تھیں۔ صلہ واپس لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

"تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے بیٹا۔" تبھی ادھر ادھر کی باتوں کے دوران بابا نے اس سے پوچھا تھا۔

"بہت اچھی جا رہی ہے بابا بس تین ماہ بعد فائنل سمسٹر ہیں کچھ دن میں ڈیٹ آجائے گی۔" وہ یونیورسٹی میں ایم بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔

"اور پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے آگے؟ اگر تم چاہو تو تم میرا آفس جوائن کر سکتی ہو۔ اس طرح مجھے بھی مدد مل جائے گی اور تمہیں بھی کہیں اور جاب کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ باقی آگے تمہاری مرضی جیسا تم چاہو بہتر سمجھو۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی بابا نے اس کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا اور ہمیشہ کی طرح بابا کے تمہاری مرضی والے الفاظ کے بعد جیسے اس کے پاس تمام لفظ ختم ہو گئے تھے۔ جیسے اس کی چوائس بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ کیا کرنا چاہتی ہے یا کیا کہنا چاہتی ہے۔ ان الفاظ کے بعد جیسے ہمیشہ کی طرح اس کی سب خواہشات دم توڑ گئی تھیں۔

"جی بابا میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔" اس نے ہمیشہ کی طرح ان کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ اور وہ اس بات پر مطمئن بھی تھی۔ لازمی بات ہے کہیں اور جاب کرنے سے بہتر نہیں ہے کہ بابا کا ہاتھ بٹائے وہ مطمئن سی ماما کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یار؟" حمدان اپنے ٹیب پر سرچنگ کرنے میں مصروف تھا تبھی علی نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"کچھ نہیں یار بس ایسے ہی۔" حمدان نے بے زاری سے کہتے ہوئے ٹیب سائڈ میں رکھ دیا تھا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" علی نے اس کے چہرے پہ ایک نظر ڈالی اور پھر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں تو۔" اس کا انداز صاف ٹالنے والا تھا۔

"انکل نے کچھ کہا ہے۔" بالآخر علی نے کھوج ہی لیا تھا۔

"وہ کب کچھ نہیں کہتے۔ یار میں تنگ آگیا ہوں۔ ہر وقت کی ایک ہی بات سے... دوسروں کی مثالیں سن سن کر... اب اگر میرا دل بزنس میں نہیں لگتا تو میں کیا کروں۔ ماما کہتی ہیں۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں 'میرا بھلا چاہتے ہیں۔ اس لیے مجھے سمجھاتے ہیں۔ لیکن یار یہ کیسی محبت ہے۔ جس میں آپ صرف اپنی سنائیں اپنی کہے جائیں اور دوسرے کو اہمیت بھی نہ دیں۔ میں انہیں فارغ لگتا ہوں۔ میرا ہر کام، ہر شوق

انہیں فالتو اور بیکار لگتا ہے۔ میرے گٹار کی آواز سے انہیں ٹینشن ہو جاتی ہے ان کے سر میں درد ہو جاتا ہے یہ کیسی محبت ہے یار۔ میں نے سوچ لیا ہے۔ یہ سب کچھ ایسا ہی چلتا رہا تو میں یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں چلا جاؤں گا پھر ڈھونڈتے رہیں گے سب۔"

"فضول بات مت کرو حمدان۔" علی جو خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ اس کی آخری بات پر یکدم بول اٹھا تھا۔

"اچھا چھوڑو ساری باتیں یہ بتاؤ جس فیشن شو کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔ اس کے لیے ایگری (راضی) ہو تم پے منٹ بھی اچھی کر رہے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے تم طے کر لو سارے معاملات میں ایگری ہوں۔" علی نے اس کا دھیان ہٹانا چاہا تھا اور اس میں وہ کامیاب بھی رہا تھا۔ ورنہ عموماً" وہ اس ٹاپک کو لے کر یوں اپ سیٹ رہا کرتا تھا۔

"اور سنڈے کو تمہارا کنسرٹ ہے' یاد ہے نا۔"

"یاد ہے یار کنسرٹ کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کنسرٹ کی ساری تیاریاں مکمل ہیں۔"

وہ ساری باتیں بھول کر اپنے کنسرٹ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ بلاشبہ میوزک اس کا پیشن (جنون) تھا اور بعض لوگ میوزک کو اس کی گرل فرینڈ بھی کہا کرتے تھے اور ایسی باتیں سن کر وہ ہمیشہ انجوائے کرتا تھا۔

"اور سناؤ تمہاری وہ نیٹ فرینڈ شپ کیسی جا رہی ہے۔" علی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اب اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔

"بہت اچھی جا رہی ہے۔ اچھی لڑکی ہے صلہ' اوروں سے قدرے مختلف۔" اسے ایسے لوگ اچھے لگتے تھے جو اس کے پبلک امیج کو چھوڑ کر اس کے اصل امیج سے دوستی کریں۔

"کافی پیو گے؟" علی نے کچن سے آواز لگائی تھی۔

"ہاں ضرور اور ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی لے آنا۔"

اس نے صلہ سے دھیان ہٹا کر علی کی آواز پہ دھیان دیا اور پھر ذہن سے ساری باتیں جھٹک کر گٹار اٹھا لیا تھا ادھر کچن میں کافی پھینٹتے ہوئے علی نے گٹار کی آواز سن کر اطمینان کا سانس لیا تھا کیونکہ وہ ایک بار پھر سے اس کا دھیان ہٹانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

علی اور حمدان یونیورسٹی فیلو تھے۔ علی' حمدان کی آواز کا سب سے بڑا مداح تھا اور اس نے ہی حمدان کو پروفیشنلی اس فیلڈ میں آنے کا مشورہ دیا تھا اور حمدان کو خود بھی میوزک میں بے انتہا انٹرسٹ تھا۔ مگر اس کے گھر میں اسے اس بات پر کوئی بھی سپورٹ نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کوئی انکریج (حوصلہ افزائی) کرتا تھا اور انسان کو چاہے ساری دنیا سراہے' لیکن اگر اسے اپنے کسی شوق کو اس کے اپنے گھر میں ڈی گریڈ (ذلیل) کیا جائے تو اس کے آگے ساری دنیا کا سراہے جانا شاید کوئی معنی نہیں رکھتا مگر پھر بھی اپنے شوق کی خاطر حمدان نے محنت کرتے کرتے اس فیلڈ میں خاصا نام بنا لیا تھا اور اب وہ ایک جانا مانا سنگر اور فیشن آئی کون بن چکا تھا اور محفل میں اس کی موجودگی بھی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ حمدان نے اس کے فلیٹ کو ہی اپنا اسٹوڈیو بنا رکھا تھا۔ کیونکہ وہاں اس کے اتنے بڑے گھر میں ہر چیز کے لیے جگہ تھی مگر اسٹوڈیو بنانے کے لیے جگہ نہیں تھی۔

اس کے ڈیڈ کو یہ ساری باتیں وقت اور پیسے کا ضیاع لگتی تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ حمدان ان کا بزنس جوائن کرے۔ کیونکہ بڑے بیٹے کے ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے انہیں اتنا بڑا بزنس اکیلے ہی سنبھالنا پڑتا تھا اور اسی بات کو لے کر وہ اکثر حمدان سے ناراض رہتے تھے۔ مگر حمدان کبھی کبھار تو وہاں جا سکتا تھا لیکن روز قطعی نہیں' اسے اپنی یہی زندگی پسند تھی اور یہاں' علی کے گھر والے چونکہ دوسرے شہر میں رہتے تھے' اس لیے علی کی خواہش پر اس نے اپنا اسٹوڈیو یہاں بنا رکھا تھا اور وہ اکثر یہیں پایا جاتا تھا۔ ماما کے بار بار فون کرنے پر اگر وہ گھر چلا بھی جاتا تھا تو وہاں ان دونوں کی مستقل ایک ہی تکرار سن سن کر واپس یہیں آجاتا تھا۔ اسے بار بار اپنے بڑے بھائی کی مثالیں دی

جاتی تھیں کہ کس طرح اس نے اپنا کیریئر بنا لیا ہے اور ایک وہ ہے کہ اب تک فضول کاموں میں اپنی زندگی برباد کر رہا ہے اور ان کی ایسی باتیں سن کر وہ ضد میں آجاتا تھا اور وہ باتیں بھی ماننے سے انکاری ہو جاتا تھا جو وہ ماننا چاہ رہا ہوتا تھا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پا رہے تھے یا شاید سمجھنا نہیں چاہ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ اس وقت ناشتے کی ٹیبل پہ تنہا ہی بیٹھی تھی۔ ماما کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے وہ ابھی تک سو رہی تھیں اور بابا ابھی تک تیار ہو کر آئے نہیں تھے۔ توس ہاتھ میں تھامے وہ ان ہی دونوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جب ہی بابا آگئے تھے۔

"السلام علیکم بابا۔" وہ توس ہاتھ سے رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔ بیٹھو بیٹا کھڑی کیوں ہو گئیں۔" بابا نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھنے کو کہا اور خود بھی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئے اور اخبار کھول لیا تھا۔

"اب ماما کی طبیعت کیسی ہے بابا۔" اس نے توس پہ مکھن لگا کر ان کی پلیٹ میں رکھا تھا۔

"ہاں اب تو کافی بہتر ہے' بس رات کو تھوڑی سر درد کی شکایت کر رہی تھی اس لیے میں نے اسے اٹھنے سے منع کر دیا اچھا ہے تھوڑا سا آرام کر لے۔" انہوں نے اخبار سائڈ میں رکھ کر توس اٹھا لیا تھا۔ مگر نظریں ہنوز اخبار پہ جمیں تھیں صلہ نے خاموشی سے انہیں دیکھا تھا۔

وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ ماما کے اس سر درد کی وجہ کیا ہے۔ مگر کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ بلکہ اس میں ہمت ہی نہیں تھی کچھ بھی کہنے کی اس لیے خاموشی سے اپنی پلیٹ پہ جھک گئی تھی۔

"بیٹا' یونیورسٹی جاتے ہوئے مجھے راستے میں آفس ڈراپ کر دینا میری گاڑی ورکشاپ میں ہے۔ ڈرائیور گیا ہے لینے۔" انہوں نے چائے کا مگ لبوں سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"جی بابا میں اپنا بیگ لے کر آتی ہوں پھر چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جب وہ اپنا بیگ اور بکس لے کر آئی تو بابا کسی سے فون پر بات کرنے میں بزی تھے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر چل کر گاڑی نکالنے کو کہا اور یہ بھی کہ وہ بات ختم کر کے آ رہے ہیں وہ باہر چلی آئی تھی۔ گیٹ کے باہر ذرا فاصلے پر گاڑی روک کر بابا کا انتظار کرنے لگی تھی۔ تب ہی ایک بلیو اسپورٹس کار اس کے پاس سے گزر کر ان کے گھر کے سامنے والے گیٹ کے آگے جا کر رکی تھی اور اس سے اترنے والی شخصیت کو صلہ نے لمحہ بھر میں پہچان لیا تھا' وہ حمدان رضا تھا۔ لاشعوری طور پہ اس کی نظر بھی صلہ پر پڑی تھی مگر یقیناً" اس نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ اس لیے آنکھوں پہ گاگلز چڑھاتے ہوئے اس نے نگاہ پھیری تھی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ صلہ کے لبوں پہ پھیلی تھی۔ اگر جو وہ مجھے پہچان جاتا تو یقیناً" مجھ سے ملنے آتا۔

اسی پل بابا گیٹ سے باہر آئے تو صلہ فوراً" ہی ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ حمدان کی نگاہ صلہ کے بابا پر پڑی وہ رک گیا شاید وہ ان سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر بابا نے اس پہ کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ صلہ نے ایک لمحے میں ان کے چہرے پہ پھیلی ناگواری نوٹ کر لی تھی۔ جو حمدان کو دیکھ کر ان کے چہرے پہ در آئی تھی۔ اس لیے وہ خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی۔

"سخت چڑ آتی ہے مجھے اس لڑکے سے۔" صلہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ ایک لمحے کو اسے قطعی اندازا نہیں ہوا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

"یہ حمدان تھا مرتضٰی کا بیٹا سخت تنگ کر رکھا ہے اس نے اپنے باپ کو سارا دن بس گاڑی اور گٹار لیے گھومتا رہتا ہے۔ کوئی خیال نہیں ہے کہ باپ کس قدر محنت کر رہا ہے۔ بجائے اس کا ہاتھ بٹانے کے الٹا پیسہ برباد کر رہا ہے۔ ایسی اولاد بھلا کس کام کی جو بڑھاپے

میں والدین کے کام نہ آئے۔" وہ سخت ناگواری سے کہہ رہے تھے۔

"والدین کیا اولاد کو صرف بڑھاپے کے سہارے کے طور پہ پالتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ایک دوسرے پہ کوئی حق نہیں ہے۔" یہ صرف صلہ نے سوچا تھا۔ کہنے کی ہمت وہ آج بھی نہیں کرپائی تھی نہ ہی شاید کبھی کرسکتی تھی۔

بابا کو آفس ڈراپ کرنے کے بعد اس نے گاڑی یونیورسٹی کی طرف موڑی تھی۔ اس نے ذہن میں اٹھتے شور سے گھبرا کر ایف ایم آن کرلیا تھا۔ جہاں لوگوں کی بے انتہا ریکویسٹ (درخواست) پر حمدان رضا کے لیٹسٹ سونگ (تازہ ترین گانا) لگا ہوا تھا۔ جو چند دن پہلے ہی ریلیز ہوا تھا اور آج کل اس نے دھوم مچا رکھی تھی۔ ابھی اس کی آواز پوری طرح گاڑی میں گونجی بھی نہیں تھی کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایف ایم بند کردیا تھا۔ "کیا زندگی کی خوشیوں پہ کبھی میرا بھی کوئی حق ہوگا۔ کیا کبھی میں بھی اپنی زندگی اپنی مرضی اور پوری آسودگی سے جی پاؤں گی۔ شاید کبھی نہیں۔"

یونیورسٹی کی پارکنگ میں گاڑی پارک کرتے ہوئے جو آخری سوچ اس کے ذہن میں آئی وہ یہی تھی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر گاڑی لاک کرکے کلاس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

یونیورسٹی میں اینول فنکشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ یونیورسٹی میں ہر سال کی طرح اس سال بھی ایک کنسرٹ کا اہتمام ہو رہا تھا اور اس بار اسٹوڈنٹس کی پرزور فرمائش پر مین سنگر کے طور پہ حمدان رضا کو بلایا جا رہا تھا۔

صلہ کا اس فنکشن میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور اس نے یہ بات حمدان کو بھی بتادی تھی۔ کیونکہ کنسرٹ کا ٹائم رات نو بجے تھا اور کب شروع ہو اور کتنے بجے ختم ہو کچھ پتا نہیں تھا اور صلہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بابا اسے اتنی رات گئے تک باہر رہنے کی کبھی بھی اجازت نہیں دیں گے۔ چاہے وہ یونیورسٹی کا فنکشن ہی کیوں نہ ہو۔

"ٹھیک ہے صلہ تمہاری مرضی ہے۔ جیسے تم ٹھیک سمجھو میں تمہیں فورس نہیں کروں گا۔ مگر میں نے سوچا تھا کہ تمہاری یونیورسٹی کا فنکشن ہے تو تم سے ملاقات ہو جائے گی۔ مگر نیور مائنڈ نیکسٹ ٹائم سہی۔"

بغیر برا مانے حمدان کی طرف سے جو جواب صلہ کی لیپ ٹاپ اسکرین پہ آیا تھا صلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆ ☆ ☆

حمدان رضا کے دو بہن بھائی اور بھی تھے۔ بڑے بھائی حنین جو اولیول کے بعد ملک سے باہر پڑھنے چلے گئے تھے اور پھر وہیں سیٹل ہو گئے تھے اور وہیں پہ موجود ڈیڈ کے بزنس کو سنبھالتے تھے۔ پھر بہن تھی حمنہ جو شادی کے بعد لاہور میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتی تھی اور آج کل وہ اپنے بچوں کے ساتھ یہاں اپنے پیرنٹس کے پاس آئی ہوئی تھی اور چونکہ بھانجے اور بھانجی کو حمدان ماما کے ساتھ وقت گزارنا تھا سو ڈیڈ کا آرڈر تھا کہ حمدان زیادہ سے زیادہ وقت گھر پہ گزارے اور بہن اور اس کے بچوں کا خیال رکھے اور حمدان کو ان ساری باتوں سے چڑ آتی تھی۔ اس کے پاس بہت سے ضروری کام تھے کرنے کو جو کہ اسے جلد از جلد نمٹانے تھے کیونکہ اگلے ہفتے اسے دبئی میں شو کرنے جانا تھا اور اسے ان شوز کی ابھی بہت ساری تیاری اور ریہرسل وغیرہ کرنی تھی اور ڈیڈ اور ماما کے اس حکم کو سن کر اسے سخت کوفت ہوئی تھی اور اب اس بات کو لے کر اس کی ماما سے بحث ہو رہی تھی۔ اور وہ خراب موڈ کے ساتھ گھر سے نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆

صلہ، یونیورسٹی سے آئی تو ماما اسے وہیں لاؤنج میں ہی بیٹھی مل گئی تھیں۔

"السلام علیکم ماما۔" وہ ہیں ان کے پاس ہی چلی آئی

تھی۔ بیگ اور بکس وہیں ٹیبل پہ رکھ کروہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ آج جلدی آگئیں بیٹا۔" ماما نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی البم سائیڈ میں رکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"جی ماما شکر ہے کہ آج ٹریفک تھوڑا کم تھا راستے میں سو جلدی گھر پہنچ گئی۔" صلہ نے پاؤں پسار کر صوفے پہ رکھے تھے۔ یونیورسٹی میں خاصا ٹف (مشکل) دن تھا آج سو خاصی تھکن ہو گئی تھی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" صلہ نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈال کر پوچھا تھا۔ جو اس وقت بھی خرابی طبیعت کے باعث ستا ستا سا لگ رہا تھا۔

"اب تو ٹھیک ہوں بیٹا۔" وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

لیکن ان کی مسکراہٹ میں بھی ایک اداسی سی تھی۔ انسان کی دونوں آنکھوں میں سے اگر ایک چھن جائے تو اسے اس وقت جتنی تکلیف ہوتی ہے ٹھیک اتنی ہی تکلیف ایک ماں کو اس وقت ہوتی ہے جب اس کی اولاد میں سے ایک نگاہوں کے سامنے رہے اور دوسرے نگاہوں سے اوجھل اور اس سے ملنے کی کوئی سبیل نہ ہو۔ انسانی اصولوں سے مجبور ایک ماں کی جو حالت ہو سکتی ہے۔ وہ ماں ہی بہتر جانتی ہے۔ مگر پھر بھی مسکراتی ہے کہ کہیں نگاہ کے سامنے والی اولاد دکھی نہ ہو جائے اور صلہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی ماں پچھلے چھ سالوں سے اس تکلیف سے گزر رہی ہے اور یہی تکلیف جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو کسی نہ کسی بیماری کی صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے اور صلہ ہمیشہ سے ہی ان کی تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن کبھی وہ اس کوشش میں کامیاب رہتی تھی اور کبھی بری طرح ناکام۔

"آپ کیا دیکھ رہی تھیں ماما؟" صلہ نے لاڈ سے ان کے کندھے پہ سر رکھ دیا تھا۔

"کچھ نہیں بس کچھ پرانی البمز تھیں تمہارے بچپن کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔" ان کے ہونٹوں پہ اس وقت بہت خوب صورت مسکراہٹ تھی۔ جیسے کوئی خوب صورت یاد ان کی آنکھوں کے سامنے آگئی ہو۔

"آپ کی زویا سے بات ہوئی تھی؟" صلہ نے دھیمے سے پوچھا تھا۔ زویا صلہ کی چار سال بڑی بہن تھی۔ جو اپنے شوہر اور دو جڑواں بیٹیوں کے ساتھ لندن میں سیٹل تھی۔ انہوں نے دھیرے سے اثبات میں سرہلایا تھا۔ اور سائیڈ پہ رکھی البم اٹھا کر دوبارہ کھول لی تھی۔

"اس لیے آپ اداس ہو گئی تھیں اور اپنی طبیعت خراب کرلی تھی۔"

صلہ بھی ان کے ساتھ البم دیکھنے لگی تھی۔ جس میں اس کی زویا اور حماد بھائی کی گنتی بہت سی یادیں سمٹی ہوئی تھیں۔ ماما اسے ایک ایک تصویر کے بارے میں بتا رہی تھیں کہ یہ کب اور کہاں کھینچی تھی اور صلہ آج بھی اتنی ہی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ جیسے کہ پہلی بار سن رہی ہو۔ حالانکہ یہی سب کچھ وہ نہ جانے کتنی بار سن چکی تھی۔ مگر وہ انہیں ٹوک کر ان کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔

"ماما آپ جا کر زویا سے مل آئیں نا۔ پاپا آپ کو منع تو نہیں کریں گے۔" اچانک ہی صلہ کے منہ سے نکلا تھا۔

"ضرور مل آتی اگر چھ سال سے ایک وعدے کی بیڑی میرے پاؤں میں نہ پڑی ہوتی تو ضرور مل آتی۔" انہوں نے دھیرے سے کہہ کر البم بند کردی تھی۔

"مگر....." اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی کہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر پاپا اندر داخل ہوئے تھے۔ صلہ کی بات اس کے لبوں میں ہی رہ گئی تھی۔ ماما انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور وہ البم صلہ کے کتابوں کے اوپر رکھ دی تھی۔

"تم یہ چیزیں لے جا کر اندر رکھو۔ میں ملازم سے کہہ کر لنچ لگواتی ہوں۔" وہ یکدم ہی کچن کی طرف چلی گئیں۔

تو وہ بھی پاپا کو سلام کر کے بیگ اور کتابیں وغیرہ اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اتفاق ہی تھا کہ وہ جب بھی ماما سے اس موضوع پہ بات کرنے لگتی تھی۔ ہر بار

ہی گفتگو درمیان میں رہ جاتی تھی اور مکمل بات ہی نہیں ہو پاتی تھی۔

"تمہیں کیا بتاؤں، میری پیاری بیٹی کہ اس وعدے نے میرے وجود کو جکڑ لیا ہے' لہولہان کر دیا ہے۔ مگر میں اس قدر مجبور ہوں کہ اس وعدے سے خود کو آزاد نہیں کر سکتی۔ اگر میں ماں ہوں تو ایک بیوی بھی ہوں اور شوہر کا حکم ماننا میرا فرض ہے۔ میں تو تمہیں بھی کھل کر جی بھر کر پیار نہیں کر سکتی کہ کہیں تم بھی میرے پیار سے بگڑ نہ جاؤ اور مجھ پر تمہاری بھی غلط تربیت کا الزام نہ لگ جائے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ کوئی ماں اپنی اولاد کی غلط تربیت نہیں کرتی۔"

خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے وہ یہی سب سوچ رہی تھیں اور ایک ایک نوالہ جیسے ان کے حلق میں اٹکتا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

حمدان کو دبئی سے واپس آئے تقریباً" ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ مگر وہ ابھی تک گھر نہیں گیا تھا اور مام کے کتنے ہی فون آ چکے تھے۔ وہ ماما کے لیے جانا چاہ رہا تھا لیکن ڈیڈ سے سامنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ڈیڈ کے سامنے ہونے کی صورت میں پھر سے وہی باتیں ہوں گی۔ یہی سب سوچتے ہوئے اس نے گاڑی گھر کی طرف موڑی تھی۔ لیکن اس وقت وہ گھر جانے کی بجائے گھر کے قریبی پارک میں آ بیٹھا تھا۔

اگلے چند دن تک وہ کچھ فری تھا اور چاہتا تھا کہ وہ یہ ٹائم گھر پہ مام کے ساتھ گزارے' کیونکہ وہ ان ساری باتوں اور اپنے کام کو لے کر اس قدر مصروف ہو گیا تھا کہ گھر اور مام سے خاصا دور ہو گیا تھا اور وہ گھر سے اور مام سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ تو ڈیڈ سے بھی دور نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی بس ان کی باتوں سے تھوڑا ٹینس ہو جاتا تھا اور اس وقت یہاں بیٹھا وہ یہی باتیں سوچ رہا تھا۔ وہ اس وقت پارک کے ایک نسبتاً" الگ تھلگ سے کونے میں بینچ پہ بیٹھا تھا۔ شام ڈھلنے کو تھی اور سورج بھی تقریباً" مدھم ہو چکا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے آنکھوں پہ گاگلز اور سر پہ پی کیپ لگا رکھی تھی۔ تاکہ کوئی پہچان نہ لے۔

تب ہی اس کی بینچ کے عین پیچھے کی بینچ پہ کوئی آ کے بیٹھا تھا۔ دونوں بینچ اس طرح لگے تھے کہ وہ پشت کی طرف سے آپس میں ملے ہوئے تھے۔ جیسا کہ عموماً" پارکس میں لگے ہوتے ہیں۔ آنے والی کوئی لڑکی تھی اور وہ لڑکی کچھ اس طرح سے ترچھی ہو کے بیٹھی تھی کہ حمدان کی طرف مکمل طور پر اس کی پیٹھ تھی۔

حمدان نے کوئی دھیان نہیں دیا اس کی طرف' وہ لڑکی دھیمی آواز میں اپنے سیل پہ بزی تھی۔ وہ اسی طرح خاموشی سے بیٹھا رہا۔ چند لمحوں بعد اسے اپنے گال اور گردن پہ ہلکی سی ملائم سی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ وہ ڈسٹرب ہوا مگر مکمل نظر انداز کیے بیٹھا رہا۔ مگر مسلسل ہوتی سرسراہٹ نے اسے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھنے پہ مجبور کیا تھا۔ اونچی پونی ٹیل میں مقید وہ اس لڑکی کے سلکی بال تھے۔ جو چلتی ہوا کے سبب اڑ اڑ کر اس کی گردن سے ٹکرا رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے بے زار ہو کر اٹھ جاتا یا کوئی اور جگہ تلاش کرتا بیٹھنے کے لیے۔ کسی چیز نے اسے وہاں رکنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ اس لڑکی کی باتیں تھیں جو وہ سیل پہ دوسری طرف موجود اپنی فرینڈ سے کر رہی تھی اور اس میں کچھ ایسا تھا کہ جس نے حمدان کو وہیں بیٹھے رہنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ تھوڑا سیدھا ہو کر بیٹھی تو وہ سرسراہٹ حمدان کو اور قریب محسوس ہوئی تھی۔

"اچھا بابا ٹھیک ہے۔ میں سر وقاص کو میسج کر دوں گی اور نیچے اپنا نام بھی لکھ دوں گی۔ بڑا بڑا کر کے صلہ احمد تاکہ وہ سمجھ جائیں اچھی طرح سے کہ نوٹس مجھے چاہئیں۔ ویسے صبا میں نے تمہیں اس وقت کتنا کہا تھا کہ یہ نوٹس سر وقاص سے لے لو' امپورٹنٹ ہیں۔ ایگزام میں کام آئیں گے۔ لیکن تم نے میری نہیں سنی اور اب تم پریشان ہو رہی ہو اور ساتھ ساتھ مجھے بھی کر رہی ہو۔"

دوسری طرف یقیناً" صبا تھی۔ صلہ کی یونیورسٹی فیلو اور کلاس میٹ اور حمدان یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔

کیونکہ وہ صبا کو بھی جانتا تھا اور سرو قاص کو بھی سرو قاص صلہ کے ڈپارٹمنٹ ہیڈ تھے اور ساتھ ساتھ تمام اسٹوڈنٹس کے فیورٹ ٹیچر بھی کیونکہ وہ بہت تعاون کرنے والے ٹیچر تھے۔

حمدان کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ دوسری طرف بیٹھی لڑکی یقیناً" صلہ احمد ہی ہے۔ اس کی نیٹ فرینڈ اور حمدان نے آج سوچ لیا تھا کہ وہ اس سے ضرور ملے گا۔ شاید وہ اب جانے کے لیے اٹھ رہی تھی۔ کیونکہ وہ اب فون پر صبا سے الوداعی کلمات کہہ رہی تھی اور حمدان اس اتفاقیہ ملاقات کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"تو بالآخر صلہ احمد میں نے آپ کو ڈھونڈ ہی لیا۔" وہ جو ابھی تک فون پہ بزی تھی۔ نہایت قریب سے ابھرتی آواز پہ سرعت سے مڑی تھی۔ قریب سے ابھرتی آواز اور اپنے نام پہ چونکنا لازمی تھا۔

"مجھے حمدان رضا کہتے ہیں' آئی ہوپ آپ نے پہچان لیا ہو گا۔" اس کی طرف چہرہ پھیرتے ہوئے اس کا انداز خود بخود ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ حالانکہ چند لمحے پہلے وہ شدید ڈپریشن اور یاسیت بھرے موڈ میں تھا اور پھر جب صلہ پہ نگاہ پڑی تو اب کے چونکنے کی باری حمدان کی تھی۔ وہ قطعی ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا کہ سامنے بیٹھی صلہ احمد اس کی فرینڈ ہونے کے ساتھ ساتھ احمد انکل کی بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ احمد انکل جو ڈیڈ کے کزن تھے اور اس سے خاصا چڑا کرتے تھے۔ مگر یہ سب شاید یونہی ہونا تھا اور صلہ کا انداز عجیب ہی تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ حمدان کو دیکھ کر کیا ری ایکٹ کرے۔ وہ اس طرح سے اس سے ملنے کی قطعی امید نہیں کر رہی تھی۔ سو وہ دونوں ہی چند لمحوں کو بالکل خاموش ہو گئے تھے۔

"تم یہاں....." خاموشی جب طویل ہونے لگی تو بیک وقت دونوں کے منہ سے یہی نکلا تھا۔ وہ دونوں ابھی بھی اسی طرح الگ الگ بینچ پہ ایک دوسرے کی طرف چہرہ موڑے بیٹھے تھے۔

"دیکھو ذرا ہم لوگ اتفاقاً" کتنی بار ملے مگر حیرت ہے ایک دوسرے کو پہچان نہیں پائے۔" بالآخر پہل حمدان نے ہی کی تھی۔

"ہاں واقعی۔" صلہ نے کہا۔

"اور میں تو تم سے اب بھی نہ ملتی۔ اگر تم یوں اچانک نہ مل جاتے۔" اور یہ صلہ نے سوچا تھا۔

"تمہیں اچھا نہیں لگا مجھ سے مل کے۔" جانے کیسے حمدان نے اس کی سوچ کو پڑھا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ لمحہ بھر کو گڑبڑائی اور پھر جلد ہی سنبھل گئی تھی۔ وہ اس سے قطعی ملنا نہیں چاہتی تھی۔ جانے اسے کس بات کا ڈر تھا۔ اس کے اور بھی کئی دوست تھے جن سے وہ ملتی تھی بات کرتی تھی تو پھر حمدان کیوں؟ شاید اس لیے کہ وہ بابا کے کزن کا بیٹا ہے اور بابا کے خیالات اس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ جانے کیوں اور کس کمزور لمحے کی زد میں آ کر وہ اس سے دوستی کر بیٹھی تھی۔ مگر اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ بابا کو اس کے حوالے سے کچھ بھی پتا چلے اور انہیں برا لگے۔ خود پہ قائم ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر یہ سب باتیں وہ حمدان سے نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ اس وقت اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صلہ سے مل کر خوش ہے۔

"کیا ہوا صلہ؟ مانا کہ ہم لوگ اس طرح اچانک ایک دوسرے سے ملنے کی امید نہیں کر رہے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے مل کر ذرا بھی خوشی نہ ہو۔"

حمدان نے کتنی ہی دیر سے سوچوں میں گم صلہ کو مخاطب کیا تھا۔

"نہیں ایسی بات تو نہیں ہے۔ دراصل میں حیران ہوں۔ تمہیں یوں اس طرح اچانک دیکھ کر۔"

"ہاں' حیران تو میں بھی ہوں۔ لیکن میں 200٪ شیور ہوں کہ تمہیں مجھ سے مل کر بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ آئی ایم رائٹ۔"

"اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس سے سچ اگلوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نہیں تم غلط سوچ رہے ہو۔ مجھے بھی اچھا لگ رہا

ہے اس طرح تم سے ملنا۔ پر یہ تو بتاؤ تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟ بڑی فرصت سے بیٹھے ہو۔"

بلاشبہ صلہ نے دل ہی دل میں یہ مان لیا تھا کہ وہ بھی اس سے ملنے کی خواہش مند تھی اور اسے بھی حمدان سے مل کر اچھا لگ رہا تھا۔ اب وہ اسے بتا رہا تھا کہ یہاں وہ اتنی فرصت سے کیوں بیٹھا تھا اور صلہ بڑی دلچسپی سے اسے سن رہی تھی۔ اتنی دلچسپی سے کہ جتنی چیٹنگ کے دوران وہ کیا کرتی تھی۔ اس وقت وہ دونوں اچھے دوستوں کی طرح باتیں کر رہے تھے اور بہت خوش تھے۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی میں صلہ کا فائنل سمسٹر تھا اور وہ پڑھائی میں بری طرح مصروف تھی۔ اب وہ کبھی کبھار بابا کے ساتھ ان کے آفس بھی چلی جاتی تھی۔ زندگی بہت مصروف ہو گئی تھی۔ بس یونیورسٹی اور آفس کے گرد ہی گھومنے لگی تھی۔ حمدان سے اس دن کے بعد ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں بھی کبھار بات ضرور ہو جاتی تھی۔ حمدان کی خواہش تھی کہ اس کے کسی فیشن شو یا کنسرٹ میں صلہ بھی شرکت کرے۔ مگر تاحال یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی تھی۔ کیونکہ صلہ ہمیشہ ہی منع کر دیتی تھی اور وجہ بہت واضح تھی کہ پاپا سے کبھی بھی اتنی رات تک باہر رہنے کی اجازت نہیں ملے گی اور وہ بھی کسی ایسی ایکویٹی کے لیے۔

حمدان کافی حد تک اس کے پاپا کے مزاج کو سمجھتا تھا۔ مگر پھر بھی یہ خواہش ابھی بھی اس کے دل میں تھی یا شاید اس کے پیچھے اس کے دل میں صلہ سے ملنے کی خواہش بھی کہیں چھپی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی اس کے باقی فرینڈز اور لوگوں کی طرح اس کے شوز میں آئے اور اسے سراہے یا وہ صرف اس سے ملنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔ جو بھی تھا بہرحال اسے موقع مل ہی گیا تھا۔ ایک فیشن شو ارینج ہو رہا تھا جس میں اسے بطور سنگر پرفارم کرنا تھا۔ سو اس نے صلہ کو بھی انوائٹ کیا تھا اور حسب معمول اس نے سنتے ہی انکار کر دیا تھا۔

"کوشش تو کرو یار۔ بابا سے بات کر کے تو دیکھو۔ ایک دم ہی انکار کر دیتی ہو۔"

وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی فوراً" ہی اس کا انکار سن کر ذرا تپ گیا تھا۔

"جب مجھے پتا ہے کہ ان کا جواب کیا ہو گا تو پوچھنے کا فائدہ۔" وہ ذرا سا مسکرا کر بولی تھی۔

"پلیز میری خاطر نا کوئی بہانہ کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم آؤ' میرے سارے فرینڈز ہوں گے۔ بس ایک تم ہی نہیں ہو گی۔" حمدان نے ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے فون ایک کان سے دوسرے پہ منتقل کیا تھا۔

وہ اس وقت علی کے فلیٹ پہ موجود تھا۔ کل اس کا شو تھا مگر وہ اس کی ریہرسل کرنے کے بجائے اس وقت صلہ کو منانے میں لگا ہوا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ضرور آئے۔

"یعنی کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان سے جھوٹ بولوں۔ نہیں بھئی سوری میں یہ نہیں کر سکتی اور پھر ضروری تو نہیں ہے نا حمدان کہ میں بھی ضرور آؤں۔ ویسے بھی میرے ایگزام ہونے والے ہیں۔ میں بہت بزی ہوں پڑھائی میں' نہیں آسکوں گی سو رہنے دیتے ہیں پھر کبھی سہی۔" وہ ہر ممکن طریقے سے اسے منع کرنا چاہ رہی تھی۔ کیونکہ اسے پتا تھا کہ بابا کبھی نہیں مانیں گے اور نہ ہی وہ پسند کریں گے۔ وہ تو کبھی بھی یونیورسٹی اور کالج کے علاوہ کہیں بھی زیادہ دیر کو نہیں جاتی تھی کہ وہ ناراض نہ ہوں تو پھر اب کیسے.....

"اس کا مطلب ہے کہ تم آنا ہی نہیں چاہتی ہو۔" وہ شاید خفا ہوا تھا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے حمدان۔" صلہ نے پھر سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے ڈن ہوا کل تم آرہی ہو۔ کہو تو میں پک کر لوں یا علی کر لے گا۔" اس نے بنا کچھ بھی سنے خود ہی سب کچھ پلان کر لیا تھا۔ وہ بوکھلا گئی تھی۔

"نہیں' نہیں کیا کرتے ہو۔ میں خود ہی آجاؤں گی۔" وہ گھبرا کر بولی تھی کہ کہیں وہ سچ مچ آ ہی نہ

جائے۔ اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا اور پھر سامنے ہی تو اس کا گھر تھا۔

☼ ☼ ☼

بابا سے بات کرنے کے لیے بلاشبہ بہت زیادہ ہمت درکار تھی۔ لیکن آج صبح سے ہی حمدان کے بے شمار میسج اور کالز دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی کہ آج اسے یہ ہمت کر ہی لینی چاہیے۔ سو وہ ڈرتے ڈرتے بابا کے پاس چلی آئی تھی' ماما بھی وہیں موجود تھیں وہ کچھ دیر قبل ہی آفس سے آئے تھے اور اس وقت چائے پینے کے ساتھ ساتھ ٹی وی پہ نیوز دیکھنے میں مصروف تھے ماما بھی وہیں ان کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔ صلہ نے ایک نگاہ ان پہ ڈالی اور وہیں ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بابا سے کہاں جانے کے لیے کہے تاکہ وہ آسانی سے مان جائیں اور انہیں برا بھی نہ لگے۔

"کیا بات ہے صلہ' کچھ کہنا ہے۔" بابا نے فوراً" ہی اس کی غائب دماغی کو محسوس کر لیا تھا۔

"جی بابا.... وہ دراصل....

بابا وہ.... مجھے اپنی ایک فرینڈ کی طرف جانا ہے۔" بس لمحہ بھر کو اس نے اپنے دل کی سنی اور ذرا سی ہمت کر کے بابا سے کہہ دیا۔

"ہاں تو چلی جاؤ نا بیٹا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ ویسے بھی تم کہاں کہیں آتی جاتی ہوں۔" ماما نے بروقت اس کا ساتھ دیا تھا۔ صلہ نے سوالیہ نگاہوں سے بابا کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں تمہاری ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں بے شک چلی جاؤ۔ مگر زیادہ دیر مت کرنا۔" ماما کے کہہ دینے کے بعد مجبوراً" بابا کو بھی اسے اجازت دینی ہی پڑی تھی یا انہوں نے واقعی دل سے کہا تھا صلہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"ٹھیک ہے' تھینک یو بابا۔" وہ فوراً" ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"صلہ' ڈرائیور کو ساتھ لے جاؤ اور واپسی پہ بھی اسے کال کر لینا۔" وہ جانے کو مڑی تو پیچھے سے بابا نے یاد دہانی کرائی تھی۔

"جی ٹھیک ہے بابا۔" وہ جاتے جاتے رکی تھی۔ وہ اسے کہنے کے بعد دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وہ چند لمحوں کو وہیں رکی رہی کہ شاید وہ مزید کچھ کہیں گے۔ مگر اب وہ اس کی طرف متوجہ بھی نہیں تھے۔

"دھیان سے جانا صلہ اور اپنا خیال رکھنا بیٹا۔"

"جی ماما۔" وہ مڑی تھی اور جھک کر ماما کے گلے میں بازو ڈال کر انہیں پیار کیا تھا۔ بابا کی نگاہیں پل بھر کو ان کی طرف اٹھی تھیں مگر پھر جلد ہی ان کی نگاہوں نے اپنا محور بدل لیا تھا۔ ان میں اور ان کی اولاد میں دن بدن فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا اور وہ یہ بات بہ خوبی جانتے تھے لیکن پھر بھی وہ اس فاصلے کو کم کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

"آخر کیوں؟"

"وہ ہمیشہ سے ایسے تو نہیں تھے۔ پھر اب کیوں...." اپنے اندر سے اٹھتے سوالوں سے گھبرا کر انہوں نے ٹی وی کا والیوم بڑھا دیا تھا اور ان کے اس عمل پہ ماما نے نہایت گہری نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔ مگر کہا کچھ نہیں کیونکہ فائدہ کوئی نہیں تھا اور جانتی تھیں کہ دیوار سے سر ٹکرانے سے نقصان اپنا ہی ہوتا ہے اور وہ اب مزید اپنا کوئی نقصان برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

کیونکہ تم ہی ہو.... تم ہی ہو
زندگی اب تم ہی ہو....
چین بھی.... میرا درد بھی....
میری ہر خوشی اب تم ہی ہو....

فیشن شو بہت اعلا طرز پر ڈیزائن کیا گیا تھا۔ ریمپ پہ چلتے خوب صورت اور اسٹائلش لباس میں ملبوس مشہور ماڈلز اور بیک گراؤنڈ میں چلتا خوب صورت میوزک بہت دلکش سماں تھا۔ ڈرائیور نے اسے ہوٹل کی پارکنگ میں چھوڑا تھا وہ کسی قدر کنفیوز سی گاڑی سے اتری تو سامنے ہی مین انٹرنس کے سامنے ہی علی

اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ہال کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

"آپ یہاں بیٹھیں میں حمدان کو جا کے بتاتا ہوں۔ وہ بیک اسٹیج ہے۔ اس کی پرفارمنس آنے والی ہے وہ فری ہو کر آپ سے ملے گا۔" علی نے اسے اس کے لیے مخصوص نشست پہ بٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ پہلی بار ایسے کسی فنکشن میں آئی تھی۔ اس لیے تھوڑا کنفیوز تھی۔ مگر پھر جلد ہی ریمپ پہ چلتے ماڈلز، دلکش ملبوسات اور شوکی چکاچوند نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ اب اسکرین پہ ایک مشہور ڈیزائنر کا نام ڈسپلے ہو رہا تھا۔ مطلب کہ اب اس کی کولیکشن پیش ہونی تھی اور اس نام کے ڈسپلے ہونے کے چند لمحوں بعد حمدان رضا کی اسٹیج پہ انٹری ہوئی تھی اس نے بلیک جینز کے ساتھ بلیک ہی بہت خوب صورت ایمبرائڈری سے مزین کرتا پہن رکھا تھا۔ جو یقیناً" اسی ڈیزائنر کا ڈیزائن کردہ تھا جس کا فیشن شو تھا اور اس پہ بہت جچ رہا تھا۔ اس کے اسٹیج پہ آتے ہی ہال تالیوں اور سیٹیوں سے گونج اٹھا تھا۔ ویسے بھی ہال میں زیادہ تعداد نوجوان لڑکے لڑکیوں کی تھی اور نوجوانوں میں تو وہ مقبول تھا ہی اور وہ اب اسٹیج کے بالکل سینٹر میں کھڑا تھا اور اس کے اردگرد ماڈلز کیٹ واک کر رہے تھے۔ جن میں میل، فی میل دونوں ماڈلز شامل تھے۔ وہ اس وقت مشہور سونگز کا میڈلے پیش کر رہا تھا۔ جس میں اس کے اپنے سونگز بھی تھے اور کچھ دوسرے مشہور سونگز بھی شامل تھے۔ اس کی خوب صورت آواز نے ایک سماں باندھ دیا تھا۔

میں نے تجھے دیکھا صبح کے اجالوں میں، ندیا میں، نالوں میں

لمحوں میں، سالوں میں، پیار کرتے والوں میں

جنوں میں، جیالوں میں، عشق کے ملالوں میں، زندہ مثالوں میں

جتنی تو ملتی جائے، اتنی لگے تھوڑی تھوڑی کہ دل جھوم چلے جھوم چلے

وہ گاتے گاتے ذرا سا پیچھے ہوا تھا اور بے ساختہ ہی کسی احساس کے تحت اس کی نگاہ دائیں طرف اٹھی تھی۔ مسکراہٹ نے بے ساختہ ہی اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ وہ وہیں تو موجود تھی اور اسے ہی دیکھ رہی تھی مسکراتے ہوئے اسے ہی سراہ رہی تھی۔

"وہ یہاں آئی۔ میرے لیے، میری خاطر، میرے کہنے پر......"

یہ سوچ ہی اسے مسرور کر گئی تھی اور پھر بار بار اس کی نگاہ اس طرف اٹھ رہی تھی کچھ تو الگ تھا اس چہرے میں، جو اس کا دل بے ساختہ ہی اس کی طرف کھنچتا تھا۔ جیسا اس وقت ہو رہا تھا۔ صلہ بار بار اس کا اپنی طرف متوجہ ہونا بخوبی نوٹ کر رہی تھی۔ اس لیے اس کی پرفارمنس ختم ہوتے ہی وہ وہاں سے اٹھ آئی تھی۔

وہ ایک سیلبریٹی تھا اور اس کی کسی طرف اٹھی معمولی نگاہ بھی میڈیا کی گرفت میں آسکتی تھی اور صلہ کسی صورت بھی مرکز نگاہ بننا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے فوراً" ہی سیل نکال کر ڈرائیور کا نمبر ڈائل کر دیا تھا۔ تبھی اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور وہ مڑے بغیر ہی بتا سکتی تھی کہ پیچھے کون ہے وہ اسے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"تھینکس فار دی کمنگ صلہ۔"

جگر جگر کرتی اس کی چمک دار آنکھوں سے اس پل نگاہیں ملانا بہت مشکل تھا۔ وہ فقط مسکرا ہی سکی تھی۔

"ہوں..... بہت اچھی پرفارمنس تھی تمہاری۔" اب کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"تھینک یو۔" وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں اب چلتی ہوں کافی ٹائم ہو گیا ہے۔" صلہ نے فوراً" ہی کہا تھا۔ وہ اس وقت جہاں کھڑے تھے۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر پھر بھی صلہ یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی۔

"میں ڈراپ کر دوں۔" دل کی خواہش لبوں تک آ ہی گئی تھی۔

"نہیں، میں نے ڈرائیور کو کال کر دی ہے۔ وہ آتا ہی ہو گا۔" صلہ نے اسے بتایا تھا۔

"تو منع کردو اسے، آجاؤ میں ڈراپ کردیتا ہوں۔"

وہی انداز..... جس کے سامنے صلہ ہمیشہ ہار جاتی تھی۔ خاموش ہو جاتی تھی اور اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ باہر آگئی تھی۔ ڈرائیور کو اس نے میسج کر کے آنے سے منع کر دیا تھا۔

حمدان نے اپنی بلیو اسپورٹس کار وہیں چھوڑی اور اسے لے کر علی کی گاڑی کی طرف آگیا تھا۔ کیونکہ بلیو اسپورٹس کار اس شہر میں حمدان رضا کی پہچان تھی اور اس وقت کچھ دیر کو وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے پہچانے اور اس رات اس نے صلہ کو گھر سے کچھ دور ڈراپ کیا تھا اور جب تک وہ گھر کے اندر نہیں چلی گئی وہ وہیں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا اور اس رات بیس منٹ کے اس سفر میں بارہا صلہ کو محسوس ہوا تھا کہ جیسے حمدان اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک بھرپور نیند لینے کے بعد صبح کے آٹھ بجے تھے جس وقت اس کی آنکھ کھلی تھی چند لمحے یونہی تکیے میں منہ چھپائے کسلمندی سے پڑے رہنے کے بعد اس نے بستر چھوڑ دیا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر نائٹ سوٹ تبدیل کیے وہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ حالانکہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ڈیڈ سے سامنا ہوا تو ڈانٹ بھی پڑ سکتی ہے۔ مگر آج خیر تھی کیونکہ آج حمدان کا موڈ بہت اچھا تھا اور وہ بہت خوش تھا کل کی وہ خوب صورت شام اور وہ بیس منٹ پہ محیط سفر ابھی تک حواسوں پہ سوار تھا۔ وہ ڈائننگ ہال میں چلا آیا تھا۔ جہاں ڈیڈ پہلے ہی سے ناشتے کی ٹیبل پہ موجود تھے۔

"السلام علیکم ڈیڈ۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا نا۔ آج حمدان رضا صاحب اس وقت گھر پہ کیسے؟"

وہ اخبار ایک طرف رکھ کر مسکرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"جی ڈیڈ..... آج تھوڑا فری تھا تو سوچا گھر پہ گزار لوں۔" وہ جوس، گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولا تھا۔

"ارے حمدان..... اتنی جلدی اٹھ گئے بیٹا۔" اسی پل ماما کچن سے نکل کر آئی تھیں۔

"جی ماما۔" اس نے جوس کا گلاس لبوں سے لگالیا تھا۔

"ناشتا تو کرو گے نا۔ کچھ اسپیشل بنواؤں۔" وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ عموماً "گھر پہ کم ہی ٹکتا تھا اور اگر کبھی موجود ہوتا تھا تو ماما اسی طرح اس کا خیال رکھتی تھیں جس سے وہ اکثر چڑ جاتا تھا کہ میں کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں ہوں۔ مگر آج وہ خاصے فریش موڈ میں تھا۔

"نہیں ٹھیک ہے ماما..... اتنا کچھ تو ہے۔" ڈیڈ کو چھوڑ کر انہیں اپنی طرف متوجہ پا کر وہ مسکرا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ وہ اس کی پلیٹ کو ٹیبل پہ موجود لوازمات سے بھرنے لگی تھیں۔

"ہوں تو آپ فری ہیں۔" ڈیڈ نے اسے ناشتے میں مگن دیکھ کر پوچھا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

"پتا نہیں اب ڈیڈ کیا کہنے والے ہیں۔" وہ سوچ رہا تھا۔

"تو میں یہ کہہ رہا تھا بیٹا جی کہ اگر آپ آج فری ہیں تو تھوڑا سا ٹائم نکال کر آفس کا چکر ہی لگالیں یا آفس کے نام سے آپ کو پھر کوئی ضروری کام یاد آجائے گا۔" بھگو بھگو کر مارنا تو ڈیڈ سے کوئی سیکھے۔ ماہر تھے اس کام میں..... ماما پریشانی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں کہ اب پھر سے صبح صبح دونوں میں بحث شروع ہونے والی تھی۔

"جی ڈیڈ، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آج میں فری ہوں۔ تو کیوں نہ آفس کا ایک چکر لگا ہی لوں اور میں یہ بھی سوچ رہا ہوں، کہ آج کے بعد سے آفس کا کبھی کبھار چکر لگا لیا کروں۔ اس طرح سے آپ کی ڈانٹ سے بھی بچ جاؤں گا اور آپ کی پریشانی بھی کم ہو جائے گی۔" یہ حمدان کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جو لاپروائی سے کہنے کے بعد اب پھر سے ناشتے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"واقعی' یہ تم کہہ رہے ہو۔" ماما اب بھی بے یقین تھیں۔

"کیوں کیا ہوا ہے ماما' اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ خود ہی تو فورس کرتے رہتے ہیں مجھے۔ اب میں کہہ رہا ہوں تو آپ کو حیرت ہو رہی ہے۔"

"حیرت تو ہو رہی ہے بیٹا۔ مگر ساتھ ساتھ خوشی بھی ہو رہی ہے۔ کہ دیر سے ہی سہی مگر تم نے ہماری بات تو مانی ہمیں تو تمہیں ہمیشہ یہی بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ جب اپنا اتنا بڑا بزنس ہے تو کیا ضرورت ہے دوسرے فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کرنے کی' بزنس پہ توجہ دو تاکہ کل کو فائدہ بھی ہو۔"

خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ انہوں نے پھر سے وہی باتیں دہرانا شروع کر دیں تھیں۔ جن سے حمدان چڑ جایا کرتا تھا۔ وہ انہیں آج بھی نہیں سمجھا سکتا تھا کہ میوزک اس کا جنون ہے عشق ہے نہ کہ ویسٹ آف ٹائم' بنا کسی نفع اور نقصان کے۔ مگر وہ کہہ نہیں پایا تھا۔ کیونکہ وہ پیچھے سے وہ کچھ بھی کہے دے' کتنا بھی غصہ کرے' چلائے مگر ان کے سامنے ان کو کبھی بھی کچھ بھی نہیں کہہ پایا تھا۔ شاید یہ ان کا احترام تھا' عزت' ڈر یا خوف تھا یا پھر وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس لیے وہ انہیں ہرٹ کرنے سے ڈرتا تھا۔ ہاں یہی بات تھی۔

"ڈیڈ اگر میں آفس جا رہا ہوں آپ کے ساتھ تو اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہے کہ آپ میرے شوق کو فضول اور جانے کیا کیا کہہ دیں اس طرح میں آفس جانے سے انکار بھی کر سکتا ہوں۔" وہ احتجاجاً" بولا تھا۔ چہرے پہ خفگی بھی نمایاں تھی۔

"اچھا بھئی اچھا نہیں کہتے کچھ تم تیار ہو جاؤ تو پھر ساتھ ہی چلتے ہیں۔" اب کے وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"اب آپ کی طرح یہ سوٹ اور ٹائی تو نہیں لگا سکتا۔ ہاں اس سے بہتر کچھ پہن لوں گا۔" وہ اپنے نائٹ سوٹ کی طرف اشارہ کر کے ہنس کر بولا تھا۔

"ہاں میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کیونکہ تمہارا کیا بھروسا کہیں ایسے ہی نہ چل پڑو۔"

اس پل کی دلکشی کو ماما نے پوری جزیات سے محسوس کیا تھا۔ اتنے عرصے بعد وہ دل سے مسکرائی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اب وہ ہفتے میں ایک آدھا چکر آفس کا لگا ہی لیا کرتا تھا۔ اس طرح سے ڈیڈ بھی خوش ہو جاتے تھے اور ماما بھی مطمئن ہو جاتی تھیں اور سب سے بڑی بات کہ وہ ڈانٹ ڈپٹ سے بچ جاتا تھا اور بنا کسی رکاوٹ کے اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ آج اس کا آفس جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا لیکن ڈیڈ اسے کچھ لوگوں سے ملوانا چاہتے تھے۔ سو اسے جانا پڑا مگر وہ لنچ سے بھی پہلے اٹھ آیا کیونکہ اسے کچھ ضروری کام نمٹانے تھے۔ ابھی اس کا ارادہ گھر جانے کا تھا اور پھر اسے علی کی طرف جانا تھا۔ کیونکہ اس ویک اینڈ پہ اس کا کنسرٹ تھا اور اسی سلسلے میں اسے کچھ لوگوں سے ملنے جانا تھا۔ سو اگلے دو دن تک وہ بے حد مصروف رہنے والا تھا۔

گھر کا موڑ مڑتے ہوئے اس کے آگے ایک اور گاڑی تھی۔ سو اسے اپنی گاڑی کی اسپیڈ کم کرنی پڑی۔ آگے جا کے وہ گاڑی احمد انکل کے گھر کے آگے رک گئی تھی۔ اور گاڑی سے آنٹی اور صلہ کو اترتے دیکھ کر اس نے اپنی گاڑی وہیں ذرا فاصلے پر روک دی تھی۔ جب وہ دونوں اندر چلی گئیں تو ڈرائیور نے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔ وہ وہیں گاڑی میں بیٹھا چند لمحے تک سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے پاکٹ سے اپنا سیل فون نکال لیا تھا۔

ماما کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر وہ کچن کی طرف آ گئی تھی۔ تاکہ لنچ کا معلوم کر سکے کیونکہ اسے بہت سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے جب کھانا تیار ہو جائے تو مجھے بلا لینا۔ میں ماما کے کمرے میں ہوں۔" ملازم کو ہدایت دیتی

اپنے اور ماما کے لیے جوس لیے وہ ابھی کچن سے باہر آئی ہی تھی کہ اس کا سیل گنگنا اٹھا تھا اور اسکرین پہ آئے نمبر کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی تھی۔

"خیریت ہے صلہ، آنٹی کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" دوسری طرف سے حمدان نے چھوٹتے ہی فکر مندی سے پوچھا تھا۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ کیوں کیا ہوا ہے۔" صلہ نے ہاتھ میں تھامی ٹرے سائڈ میں پڑی ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"نہیں وہ دراصل... ابھی تمہیں اور آنٹی کو دیکھا تو سوچا پوچھ لوں۔" وہ یہ نہیں کہہ پایا تھا کہ اصل مقصد تو تم سے بات کرنا ہے۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ماما کو ریگولر چیک اپ کے لیے جانا تھا۔ پاپا تھوڑا بزی تھے۔ نہیں آپائے تو میں لے گئی تھی ورنہ عموماً" پاپا ہی لے جاتے ہیں۔ مگر تم نے کہاں دیکھا؟" اس نے بتانے کے ساتھ ساتھ پوچھا بھی تھا۔

"کہیں تم نے میرا پیچھا کرنا تو نہیں شروع کردیا۔" وہ ہنس کر بولی تھی۔

"ارے نہیں۔ اب ایسی بھی بات نہیں ہے اور نہ ہی میں اتنا فارغ ہوں۔ بس اتفاق ہی تھا کہ میں آفس سے واپس آرہا تھا تو گھر کے سامنے تم پہ نظر پڑ گئی تو پوچھ لیا۔" اس نے لمحوں میں خود کو اس کی ہنسی کے ٹرانس سے باہر نکال لیا تھا۔

"ہاں بھئی... میں تو بھول ہی گئی کہ میں ملک کی ایک مصروف شخصیت سے بات کر رہی ہوں۔ جو لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہے وہ بھلا اتنا فارغ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک معمولی لڑکی کا پیچھا کرے۔"

حالانکہ یہ مشہور شخص آج کل صرف ایک ہی دل کی دھڑکن بننا چاہتا ہے اور دن رات بس ایک ہی لڑکی کو آٹوگراف دینا چاہتا ہے اور بس اس کا ہی پیچھا کرنا چاہتا ہے۔ یہ سب حمدان نے سوچا تھا پر کہہ نہیں پایا وہ یہ سب کہنا چاہتا تھا مگر صحیح وقت پر، کسی خاص موقع پر

"کیا ہوا؟" اس کی خاموشی کو صلہ نے فوراً ہی محسوس کیا تھا۔

"کچھ نہیں... اچھا سنو۔ کیا میں آنٹی سے ملنے آ سکتا ہوں؟" جانے کیوں اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ صلہ کے ساتھ تھوڑا وقت گزارے۔

"کیوں؟" اس کے یوں اچانک کہنے پر وہ لمحہ بھر کو گڑبڑائی تھی۔

"کیوں... کیا مطلب؟ ایسے ہی ان سے ملنا چاہتا ہوں ان کی خیریت پوچھنے کے لیے... احمد انکل گھر پہ ہیں کیا؟" اس نے کہنے کے ساتھ ساتھ پوچھا بھی تھا کہ وہ کہیں اسی لیے گھبرا رہی ہے۔

"نہیں وہ تو نہیں ہیں۔ مگر تم..."

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم لنچ اکٹھے کرتے ہیں۔" وہی فیصلہ کن انداز میں۔ جس کے سامنے صلہ کبھی کچھ کہہ ہی نہیں پائی تھی اور نتیجتاً" چند منٹوں بعد وہ اس کے سامنے تھا۔ وہ اس وقت قطعی طور پر بھول چکا تھا کہ اسے کیا کرنا تھا اور کہاں جانا تھا، کس سے ملنا تھا۔ سب کچھ بھلائے وہ یہاں چلا آیا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں آنٹی سے کہہ دوں گا کہ مجھے ماما سے ان کی طبیعت کا پتا چلا تو ملنے چلا آیا۔"

اس وقت وہ تھوڑی گھبرائی گھبرائی سی کھڑی اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ ریڈ کلر کسی پہ اتنا بھی جچ سکتا ہے۔ یہ اس نے آج محسوس کیا تھا۔ اسے خود یہ بالکل یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ کسی سے کبھی اتنی محبت بھی کر سکتا ہے۔ وہ یقیناً" پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوا تھا اور اس حادثے پہ بہت خوش بھی تھا۔ البتہ صلہ کے دل کی ابھی اس کو خبر نہیں تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ناپسند وہ بھی اسے نہیں کرتی ہے اور جب ناپسند نہیں کرتی۔ دوست مانتی ہے تو یقیناً" محبت بھی ایک دن کر ہی لے گی۔

☆ ☆ ☆

ماما اس سے مل کر بہت خوش ہوئیں انہیں بہت اچھا لگا کہ وہ ان سے ملنے آیا ہے۔ اسے دیکھ کر ماما کو

اپنے بیٹے حماد کی یاد آگئی تھی۔ جو اس وقت اپنی فیملی کے ساتھ نیویارک میں سیٹل تھا اور کئی سالوں سے وہ اس سے مل نہیں پائی تھیں۔

"میری مام 'اکثر آپ کا ذکر کرتی ہیں۔ وہ آپ کی طرف سے کافی فکر مند بھی رہتی ہیں کہ آپ کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔ بس آج میں نے آپ کو دیکھا تو میرا دل چاہا کہ میں آپ سے آکے ملوں اور میں آگیا۔ آپ کو برا تو نہیں لگانا آنٹی میرا اس طرح سے آنا۔" وہ ان کے قریب بیٹھا دھیرے دھیرے ان سے کہہ رہا تھا اور وہ محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"برا کیوں لگے گا۔ تم بھی تو میرے بیٹے ہو۔ کوئی غیر تو نہیں ہو۔ تمہارے انکل کا گھر ہے یہ 'تمہارا جب دل چاہے تم آسکتے ہو بیٹا تمہیں دیکھ کر تو مجھے حماد کی یاد آ گئی۔ بلکہ اپنے تمام پرانے دن یاد آگئے۔ تمہاری ماما سے میری بہت دوستی ہوا کرتی تھی۔ گھر آمنے سامنے تھے اور پھر رشتے داری بھی تھی تو کافی آنا جانا لگا رہتا تھا۔ مگر پھر وقت اور حالات ایسے ہو گئے کہ سب چھوٹ گیا۔ ہاں فون پہ اب بھی اکثر بات ہو جاتی ہے۔"

وہ کسی پرانی یاد میں کھو کر آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

"جی کھانا لگا دیا ہے۔" اس سے پہلے کہ حمدان ان سے کچھ کہہ پاتا ملازم کی اطلاع پر وہ دونوں ہی چونکے تھے۔ جب وہ آنٹی کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف آیا تو صلہ وہیں ڈائننگ ہال میں انتظار کر رہی تھی۔

"صلہ بیٹے 'حمدان بھی آج ہمارے ساتھ ہی لنچ کرے گا۔" ماما کے اس طرح بتانے پر اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بڑی تیزی سے پھیلی تھی وہ لنچ کرنے ہی آیا تھا مگر وہ یہ بات ماما کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"جی ماما..." وہ سر جھکائے اپنی پلیٹ پہ جھک گئی۔ حمدان نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"حمدان بیٹے تمہاری آواز بہت پیاری ہے۔" آنٹی اصرار سے اسے کھلانے کے ساتھ ساتھ اس کی تعریف بھی کر رہی تھیں۔

"اچھا آنٹی تھینک یو۔ آپ سنتی ہیں مجھے۔" وہ اب دلچسپی سے ان سے پوچھ رہا تھا۔

صلہ محسوس کر رہی تھی کہ ماما کو اس کا آنا اچھا لگا ہے۔ وہ خوش لگ رہی تھیں اور وہ بھی بڑی بے تکلفی سے ان سے پیش آرہا تھا۔ ان سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر صلہ کو بارہا اس کی نگاہیں خود پہ محسوس ہو رہی تھیں۔ جس سے وہ تھوڑی کنفیوز ہو رہی تھی۔ وہ کھانا کھا چکی تھی لیکن ان دونوں کی وجہ سے وہاں بیٹھی تھی کہ وہ دونوں کھا کم رہے تھے اور باتیں زیادہ کر رہے تھے۔

اسی پل لاؤنج کا دروازہ کھلا تھا اور اندر داخل ہوتے بابا کو دیکھ کر وہ تینوں ہی خاموش ہو گئے تھے۔ انہوں نے قدرے حیرت اور ناگواری سے سامنے نظر آتے ڈائننگ ہال پہ نظر ڈالی تھی۔ ان کے چہرے سے ہی لگ رہا تھا کہ انہیں حمدان کی یہاں موجودگی بہت ناگوار گزری ہے۔ وہ سیدھے وہیں آگئے تھے۔

"السلام علیکم انکل۔" حمدان انہیں دیکھ کر فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تینوں ہی اس وقت ان کی آمد کی قطعی امید نہیں کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ کہہ چکے تھے کہ وہ آج لنچ پہ نہیں آئیں گے۔

"وعلیکم السلام برخوردار... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ اپنی ناگواری چھپا نہیں پائے تھے۔ کیونکہ شاید وہ چھپانا نہیں چاہتے تھے۔

"مجھ سے ملنے آیا ہے۔ اس کی ماں نے بھیجا ہے خیریت معلوم کرنے۔" ماما نے بروقت بات کو سنبھالا تھا۔ ورنہ حمدان اور صلہ کے چہرے پر وہ ہوائیں اڑتی دیکھ چکی تھیں۔

"ہوں 'وہ خود بھی تو آسکتی تھیں بہر حال..." انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور اس ادھوری بات نے حمدان کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

"میں چلتا ہوں آنٹی۔" وہ فوراً ہی جانے کو تیار ہوا تھا۔

"کھانا تو کھا لو بیٹا۔" وہ فکر مندی سے بولی تھیں۔

"ہاں کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھنا بد تہذیبی ہوتی ہے۔ کسی نے بتایا تو ہو گا یا فضول کاموں میں لگ کر کام کی

کوئی بات سیکھی ہی نہیں۔"
"شکریہ انکل میں کھا چکا ہوں۔" ناگواری کی لہر حمدان کے پورے وجود میں پھیلی تھی۔ مگر وہ ضبط کر گیا اور تیزی سے اٹھ کر باہر آگیا تھا۔ ایسے ماحول میں ہمیشہ اس کا دم گھٹتا تھا۔ جہاں طنز کے تیر ہوں، بے اعتباری ہو، صلہ وہیں بیٹھی اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ صرف اس کی خاطر یہاں آیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کہیں باہر کبھی بھی اس کے ساتھ لنچ کے لیے نہیں جائے گی۔ سو اس نے ماما کا بہانہ بنایا اور آگیا۔

"یہ لڑکا آئندہ میرے گھر میں نظر نہ آئے اور خاص کر میری غیر موجودگی میں....."

یہ کمان کا آخری تیر تھا جو وہ برسا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ماما ان کے پیچھے ہی گئی تھیں اور ماما کے جاتے ہی وہ تیزی سے اٹھی اور لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ وہ لان کراس کر کے گیٹ تک پہنچ چکا تھا۔ صلہ کے پکارنے پہ اس کے قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے تھے۔ وہ تیزی سے اس تک آئی۔

"آئی ایم رئیلی سوری حمدان، بابا کے رویے کی میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔ تم آج پہلی بار ہمارے گھر آئے اور انہوں نے....." اس کی آنکھیں اسے بھیگی بھیگی سی محسوس ہو رہی تھیں اور حمدان کا دل اس لمحے ان میں ڈوب رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی، وہ نہیں سن رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں مجھے عادت ہے۔ میرے ڈیڈ نہ سہی، تمہارے بابا سہی۔ ڈانٹ تو مجھ پر لازم ہے، تم پریشان مت ہو۔" خود پر قابو پا کے وہ مسکرایا تھا پر وہ جانتی تھی کہ اسے برا لگا ہے۔ وہ ہرٹ ہوا تھا اور ہرٹ تو صلہ بھی بہت ہوئی تھی۔ بابا کی بے اعتباری اکثر اسے اسی طرح ہرٹ کر دیتی تھی، کچل دیتی تھی مگر ہر بار وہ برداشت کر جاتی تھی پر آج بات الگ تھی۔ اس لیے کہ شاید آج سامنے حمدان تھا۔ جسے وہ اپنا دوست مانتی تھی تو کیا دوستوں کے لیے انسان ایسا ہی محسوس کرتا ہے۔ اس سے آگے وہ سوچ نہیں پائی تھی۔

☼ ☼ ☼ ☼

"صالحہ، صالحہ، بھئی کہاں ہو تم؟" آج بڑے دونوں بعد انہوں نے شوہر کی ایسی خوش گوار پکار سنی تھی۔ سو حیرت لازمی تھی۔ وہ جو ملازم کو رات کے کھانے کے لیے ہدایت دے رہی تھیں۔ فوراً" ہی کچن سے باہر نکل آئی تھیں۔

"جی کیا ہوا؟ خیریت ہے۔" وہ ان کے پاس چلی آئی تھیں۔

"ہاں، ہاں خیریت ہے۔ بالکل اچھی خبر ہے۔" وہ بہت خوش لگ رہے تھے۔ وہ ابھی تک حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"آج آفس میں بھائی صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ پاکستان میں ہیں اور آج شام کو وہ اور بھابھی ہماری طرف آرہے ہیں۔ ہے نا خوشی کی بات۔"

"بھائی صاحب....." وہ چند لمحوں کو سمجھ ہی نہیں پائی تھیں کہ وہ کس کی بات کر رہے ہیں کیونکہ عرصہ ہوا انہوں نے رشتہ داروں سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے بھئی..... میں عباس بھائی کی بات کر رہا ہوں۔" اب کہ احمد صاحب تھوڑا سا جھلا کر بولے تھے۔

"او اچھا..... مگر وہ یوں اس طرح..... اچانک....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ مبادا" انہیں برا لگ جائے۔

"ہاں اتنا تو مجھے علم تھا کہ وہ پچھلے چھ ماہ سے پاکستان شفٹ ہو چکے ہیں۔ مگر میں ان سے ملنے کی ہمت نہ کر سکا۔ سچ پوچھو تو صالحہ جو کچھ ماضی میں ہوا آج بھی میں خود کو قصوروار سمجھتا ہوں مگر دیکھو عباس بھائی کتنے اعلا ظرف ہیں۔ انہوں نے خود مجھ سے رابطہ کر لیا اور آج وہ آرہے ہیں۔"

وہ وہیں قریب رکھے صوفے پہ بیٹھ گئے تھے۔ بہت سارے منظر اور تصویریں گویا کسی فلم کی مانند ان کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے انہوں نے فوراً" ہی

ذہن کو جھٹکا گویا ماضی کو جھٹکا تھا۔ پتا نہیں قصور کس کا تھا اور سزا کس کو ملی وہ صرف سوچ ہی پائیں وگرنہ کہنے کی ہمت بھلا کہاں تھیں۔

"تو تم رات کے کھانے میں ذرا اہتمام کرلینا۔ اب وہ اتنے عرصے بعد آرہے ہیں۔ تو میں انہیں کھانا کھائے بغیر تو نہیں جانے دوں گا اور ہاں صلہ کہاں ہے۔" انہوں نے ہدایت دیتے دیتے صلہ کا پوچھا تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔ آج اس کا آخری پیپر تھا نا۔ بہت تھک گئی تھی۔ تو میں نے جگایا نہیں۔"

"ہوں اچھا کیا جب مہمان آئیں تو جگا دینا۔ وہ بھی ان سے مل کے خوش ہو جائے گی۔ بہت پیار کرتے ہیں عباس بھائی صلہ سے ' آج بھی بار بار اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔" اور صلہ کے ذکر پر جانے کیوں کسی انہونی کے احساس سے ان کا دل دھڑکا تھا۔ بھائی سے ملنے کی خوشی ان کے لہجے سے عیاں ہو رہی تھی۔ ورنہ اب تو عرصہ ہوا انہوں نے بولنا اور بے تکان باتیں کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"اور سنو صالحہ.... کوئی پرانی بات مت چھیڑنا پلیز۔ انہیں تکلیف ہو گی۔ جب وہ خود سب کچھ بھلا کر آ رہے ہیں۔ تو ہمیں بھی خوش دلی سے ان کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔"

وہ جاتے جاتے بھی ہدایت دینا نہیں بھولے تھے۔ وہ کتنے ہی لمحے خاموشی سے وہیں بیٹھی رہی تھیں۔ انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

"کہیں وقت پھر سے خود کو دہرا تو نہیں رہا۔" یہ سوچ ذہن میں آتے ہی ان کا دل جیسے ڈوب کر ابھرا تھا اور پورے وجود میں بے قراری اور بے چینی سی بھر گئی تھی۔ تب ہی ملازم کے پکارنے پہ انہیں اٹھنا پڑا وہ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکتی کچن میں چلی آئیں جہاں انہیں اب ایک پر اہتمام ڈنر کا انتظام کروانا تھا۔

☆ ☆ ☆

صلہ کا ایم بی اے مکمل ہو گیا تھا بس اب رزلٹ کا انتظار تھا۔ سو اس نے کافی باقاعدگی سے بابا کے ساتھ آفس بھی جانا شروع کر دیا تھا۔ اسے بزنس میں قطعی انٹرسٹ نہیں تھا۔ مگر اب آہستہ آہستہ اس کا انٹرسٹ ڈیویلپ ہو رہا تھا کیونکہ بابا چاہتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ کام کرے اور وہ کبھی بھی بابا کے خلاف نہیں جا سکتی تھی۔ ویسے بھی آج کل بابا' تایا جان سے ملنے کے بعد کافی خوش رہنے لگے تھے۔ وہ اب اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان شفٹ ہو چکے تھے اور دونوں گھرانوں کا آپس میں آنا جانا پھر سے شروع ہو گیا تھا۔ تایا کا بیٹا ایزد اب بابا کے پاس آفس بھی آجایا کرتا تھا۔ کیونکہ بابا اور تایا مل کے کوئی پروجیکٹ پلان کر رہے تھے اور اسی سلسلے میں ایزد اکثر ہی آفس آجاتا اور صلہ سے بھی اس کی ایک آدھ بار سرسری سی ملاقات ہوئی تھی اور ہر بار ایزد کو دیکھ کر اسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ اسے یہاں آنے سے پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہے مگر کہاں.... اس نے زیادہ یاد کرنے کی کوشش بھی نہیں کی کیونکہ وہ اپنے کام سے کام رکھنا زیادہ پسند کرتی تھی' حمدان سے اس کی کافی دنوں سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ پچھلے دو ماہ سے لندن کے ٹور پہ تھا۔ وہ اس قدر مصروف تھا کہ اس سے فون پر بھی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں اسکائپ پہ ایک دو بار بات ہوئی تھی۔ لیکن وہ بھی بے حد مختصر سی۔

صلہ کو ان گزرتے دنوں میں بارہا یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ اسے مس کر رہی ہے۔ اور جتنی بار اس نے یہ محسوس کیا اتنی ہی بار اس نے اپنے ذہن کو جھٹکا تھا۔ مگر بعض باتیں اتنی آسانی سے ذہن سے کہاں نکلتی ہیں' ذہن سے اگر نکل بھی جائیں تو دل میں کنڈلی مار کر بیٹھ جاتی ہیں اور دل تو ایسی باتوں کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اسے تو بس موقع چاہیے ہوتا ہے ایسی کسی بات کو اپنے اندر چھپانے کا اور وہ بڑی خوبی سے اسے اپنے اندر کہیں بہت اندر چھپا لیتا ہے۔ اور پھر انسان لاکھ کوشش کرے وہ اسے باہر نہیں آنے دیتا۔ کیونکہ دل تو دل ہے نا.... دل کی کیا کہیے جاناں....

☆ ☆ ☆

اس رات وہ بہت گہری نیند میں تھا۔ جب دروازہ پیٹنے کی آواز پہ وہ ہڑبڑا کر جاگا۔ چند لمحوں کو تو وہ سمجھ ہی نہیں پایا کہ ہوا کیا ہے اور یہ کیسی آواز ہے۔ مگر اگلے ہی پل اس کے حواس ذرا قابو میں آئے تو اسے ماما کی پریشان آواز واضح سنائی دی وہ اسے پکار رہی تھیں۔

"حمدان... دروازہ کھولو بیٹا۔" وہ کمبل دور پھینک کر ایک ہی جست میں دروازے تک پہنچا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اسے ماما کی پریشان صورت دکھائی دی تھی۔

"کیا ہوا ماما... خیریت؟"

"حمدان ' جلدی آؤ بیٹا۔ تمہارے ڈیڈ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی تیزی سے واپس اپنے روم کی طرف پلٹ گئیں وہ بھی ان کے پیچھے بھاگا تھا۔

"ڈیڈ... کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہیں۔" وہ تیزی سے ان کے پاس آیا تھا۔ جو اپنے سینے کو مسلتے ہوئے بمشکل سانس لے رہے تھے۔

"میں گاڑی نکالتا ہوں!" اگلے ہی پل وہ کمرے سے باہر تھا۔

پھر جتنی تیز وہ گاڑی دوڑا سکتا تھا اس نے دوڑائی تھی۔ رات کے اس پہر سڑکیں قدرے سنسان تھیں' وہ جلد ہی ہسپتال پہنچ گئے تھے اور پہنچتے ہی ڈیڈ کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا تھا۔ اس لمحے حمدان کا دل ڈوب رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی دھیرے دھیرے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ رہا ہو۔ کچھ ہی منٹوں میں ڈاکٹر نے آکر ان کی خیریت کی اطلاع دی تھی۔ تو اس نے سکون کی سانس لی تھی۔

"ڈاکٹر کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا۔" ماما نے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔

"نہیں... نہیں بالکل نہیں... وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ بس ذرا سی ٹینشن اور گھبراہٹ کی شکایت تھی۔ ہم نے ٹریٹمنٹ دے دی ہے۔ اب وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

ڈاکٹر کے مطمئن انداز پہ انہیں تسلی ہوئی تھی۔ ماما وضو کر کے سجدہ شکر ادا کرنے گئیں تو وہ ڈاکٹر سے پوچھ کر ان سے ملنے چلا آیا۔ اس کی آہٹ پا کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں تھیں وہ قریب رکھے اسٹول پہ ان کے بیڈ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"آپ ٹھیک ہیں نا ڈیڈ۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر جیسے ان سے پوچھ کر تسلی چاہ رہا تھا۔ انہوں نے دھیمے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میں بہت ڈر گیا تھا ڈیڈ... بہت زیادہ۔" اس نے دھیمے سے کہتے ہوئے ان کا ہاتھ زیادہ مضبوطی سے تھام لیا۔ جیسے انہیں کھونے سے ڈرتا ہو۔

"میں ٹھیک ہوں میری جان۔ تم پریشان مت ہو۔" وہ ہولے سے مسکرا کر بولے تھے۔

"آئی لو یو ڈیڈ... آئی ریئلی لو یو اینڈ آئی ایم سوری ریئلی ویری سوری فار ایوری تھنگ۔" اپنے ڈر کا' محبت کا اظہار کرتا حمدان اس سمے انہیں بہت پیارا لگا تھا۔

"آئی لو یو ٹو بیٹا۔" انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو حمدان کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یکدم ہی وہ کڑی دھوپ سے سائے میں آگیا ہو۔

"اچھا سنو۔ آج تم پھر سے نائٹ سوٹ بدلنا بھول گئے ہو۔ تم کب سدھرو گے لڑکے۔" سرخ آنکھوں' بکھرے بال اور نائٹ سوٹ میں ملبوس حمدان کو اب وہ مسکرا کر چھیڑ رہے تھے۔

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" وہ نروٹھے پن سے کہہ کر مسکرایا تھا اور اندر آتی ماما نے یہ منظر بہت آسودگی سے دیکھا تھا۔ اس منظر کو وہ کب سے مس کر رہی تھیں اور آج بالآخر اللہ نے ان کی سن لی تھی۔ وہ مطمئن سی اندر آگئی تھیں۔

٭ ٭ ٭

حمدان سے اس کے ڈیڈ کی خرابی طبیعت کا پتا چلا تو صلہ ماما کو بتا کر ان سے ملنے چلی آئی کیونکہ کافی دنوں سے اس کی حمدان سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ تو اس نے سوچا کہ چلو اسی بہانے اگر وہ گھر پہ ہوا تو اس

سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ بابا آج کل اپنا زیادہ ٹائم تایا کے ساتھ گزار رہے تھے۔ سو گھر پہ ذرا کم ہی ٹائم دے پاتے تھے۔ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ چلی آئی تھی۔ انکل اور آنٹی اسے باہر ہی مل گئے تھے۔ انکل کا ڈاکٹر سے اپائنمنٹ تھا اپنے ریگولر چیک اپ کے لیے اور آنٹی بھی ان کے ساتھ ہی جا رہی تھیں۔

وہ دونوں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ میری بیٹی پہلی دفعہ میرے گھر آئی ہے اور مجھے جانا پڑ رہا ہے۔ آئی ایم سوری بیٹا۔ ڈاکٹر سے اپائنمنٹ نہ ہوتی تو کبھی نہ جاتے۔" انکل بہت محبت اور خلوص سے کہہ رہے تھے اور ان کی اتنی محبت اور خلوص دیکھ کر صلہ کو شرمندگی ہو رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں انکل۔ آپ کا جانا ضروری ہے۔ آپ جائیں میں پھر آجاؤں گی۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"ارے نہیں ایسے کیسے تم بیٹھو ہم ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ لو حمدان آگیا۔" اسی پل حمدان کندھے پہ گٹار ٹکائے کہیں جانے کو تیار اندر سے باہر آیا تھا اور صلہ کو وہاں موجود دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آگئی تھی۔

"حمدان تم کہیں جا رہے ہو؟" ماما نے فوراً ہی اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں تو ماما بولیں۔" اس نے فوراً ہی کہیں بھی جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر تم کچھ دیر کو صلہ کو کمپنی دو۔ ہم بس ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔" ڈیڈ نے اسے جو ذمہ داری دی تھی وہ اسے نبھانے کو دل و جان سے تیار تھا۔

"ٹھیک ہے ڈیڈ آپ لوگ جائیں۔" وہ اطمینان سے بولا۔ جب سے وہ لندن سے لوٹا تھا اس سے ملاقات کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ مگر اس سے ملاقات ہو ہی نہیں پا رہی تھی۔

"تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے حمدان۔" وہ اس کے ساتھ اندر آتے ہوئے بولی۔

"ہاں یہ ساری ڈیڈ کی محنت ہے۔ انہوں نے ہی خود کھڑے ہو کر یہ گھر بنوایا تھا۔" حمدان نے محبت سے بتایا۔

وہ چلتے ہوئے کوریڈور میں آگئے تھے۔

"آؤ وہاں بیٹھتے ہیں۔" وہ اسے گھر کی پچھلی طرف بنے پول سائڈ پہ لے آیا تھا۔

گھر کا وہ حصہ بہت خوب صورت تھا اور صلہ آج پہلی بار دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ وہ دونوں ایک طرف رکھی چیئرز پہ بیٹھ گئے ملازم ان کے سامنے ڈھیر سارے لوازمات رکھ کر جا چکا تھا۔

"میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ کیونکہ میں لنچ کر چکی ہوں۔" وہ جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

"مگر میں نے لنچ نہیں کیا۔ سو اب ان پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔" حمدان نے مسکرا کر ایک سینڈوچ اٹھایا۔

"شام کے چار بج رہے ہیں اور تم نے ابھی تک لنچ نہیں کیا۔ حد ہوتی ہے لاپروائی کی۔" ہوا سے بکھرتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ فکرمندی سے بولی تھی۔ وہ محض مسکرا کر رہ گیا تھا۔

"صلہ ایک بات تو بتاؤ۔" اس نے سینڈوچ ختم کر کے اب جوس کا گلاس اٹھایا تھا۔

"ہاں پوچھو۔" اس کا مکمل دھیان پول کے نیلے پانی کی طرف تھا۔ سامنے نیلا شفاف پانی اور ہولے ہولے چلتی ہوا اسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"شاید تمہیں برا لگے۔ مگر میں احمد انکل کے اس رویے کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ میں اس دن سے مسلسل یہی بات سوچ رہا ہوں۔ ٹھیک ہے کسی کا آنا برا لگ سکتا ہے۔ مگر اس قدر شدید ری ایکشن ان کی آنکھوں میں ایک ناگواری دیکھی میں نے کیا میں غلط ہوں۔"

"بس ان کی عادت ہے وہ ایسے ہو گئے ہیں۔ میں نے تم سے ایکسکیوز کر لیا تھا۔" وہ سنبھل کر بیٹھی تھی۔ وہ حمدان سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ قدرے لاپروا اور اس قدر بزی رہنے

والا انسان تھا کہ صلہ کا خیال تھا کہ اب تک وہ بھول چکا ہو گا۔ مگر اسے یاد تھا۔

"وہی تو! وہی تو میں پوچھ رہا ہوں صلہ' وہ ایسے کیوں ہو گئے ہیں۔ کوئی تو وجہ ہو گی۔ میرا آنا انہیں برا لگا بات سمجھ میں آتی ہے۔ مگر تمہارے اور آنٹی کے ساتھ ان کا رویہ..." وہ الجھ کر خاموش ہوا تھا۔

"زویا... زویا کی وجہ سے وہ ایسے ہو گئے ہیں۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے گویا اس نے حمدان کو سب بتانے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ دل سے چاہتی تھی کہ کسی سے یہ سب شیئر کرے اور اب حمدان سے بہتر بھلا کون ہو سکتا تھا۔

"زویا... زویا کون؟" اس نے حیرانی سے پوچھا اور صلہ جانتی تھی کہ وہ ضرور حیران ہو گا۔

"زویا میری بڑی بہن ہے۔"

"شاید تم بھی اور سب کی طرح یہی سمجھے ہو گے کہ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں مگر ایسا نہیں ہے۔ میرے دو بہن بھائی اور بھی ہیں۔ بڑی زویا پھر حماد بھائی اور پھر میں... یعنی سب سے چھوٹی۔" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

"ہاں... واقعی میں یہی سمجھا تھا کہ تم اکلوتی ہی ہو۔ اس لیے تو میں انکل کا تم سے بی ہیو بر دیکھ کر اپ سیٹ تھا۔ مگر وہ دونوں کہاں ہیں۔ کبھی انہیں دیکھا ہی نہیں۔" وہ اب بھی حیران تھا۔ یہ بات اسے آج پتا چل رہی تھی۔

"تم نے کیا... ہم نے بھی انہیں ایک عرصے سے نہیں دیکھا وہ دونوں ہی اپنی فیملیز کے ساتھ ملک سے باہر سیٹل ہیں اور ہم ان سے نہیں ملتے۔" وہ ان دونوں کے ذکر پہ افسردہ سی ہو گئی تھی۔

"لیکن... کیوں؟ یہی تو پوچھ رہا ہوں میں۔" اس کی الجھن بڑھ رہی تھی۔ اسے اب بے چینی نے آلیا تھا۔ آخر ایسا کیا تھا کہ انکل اور آنٹی اپنی سگی اولاد سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔

"کیونکہ بابا نہیں چاہتے کہ ہم ان سے ملیں یا وہ یہاں آئیں۔" وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔ جیسے سوچ رہی ہو کہ کہاں سے بتانا شروع کرے اور حمدان بس خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دراصل زویا نے اپنی پسند سے شادی کر لی تھی اور تب سے بابا اس سے ناراض ہیں۔ زویا نے بہت بار ان سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن بابا اس کی بات ہی نہیں سنتے۔ شروع شروع میں ماما بھی اس سے بات نہیں کرتی تھیں لیکن جب ماما کو اس کی طبیعت کی خرابی کا پتا چلا تو وہ بہت پریشان ہوئیں۔ عمر بھائی نے انہیں خود فون کر کے کہا تھا کہ زویا کی طبیعت بہت خراب ہے اور وہ آپ سب کو بہت یاد کرتی ہے اور روتی رہتی ہے۔ جس سے اس کی حالت اور بگڑ جاتی ہے۔ ماما اس کے پاس جانا چاہتی تھیں۔ وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں۔ مگر بابا نے انہیں کہا کہ اگر وہ زویا سے ملنے گئیں تو دوبارہ انہیں اس گھر میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر وہ وہیں رہیں۔ یہ سب سن کر وہ نہیں جا پائیں۔ پھر حماد بھائی کو جب پتا چلا تو وہ ان دنوں انگلینڈ میں تھے اور وہاں جاب کر رہے تھے۔ وہ وہیں سے زویا کے پاس چلے گئے۔ پھر انہوں نے وہاں زویا کو جس طرح بے چین اور دکھی دیکھا تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ اس کی حالت واقعی بہت خراب تھی۔ پھر اس کے ٹوئنز بے بیز ہوئے اور کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد بالآخر وہ سنبھل گئی۔ مگر حماد بھائی کو بابا پہ بہت غصہ تھا۔ کہ انہوں نے ماما کو اس طرح روکا اور ان کا بالکل بھی احساس نہیں کیا۔ انہوں نے بابا سے اس سلسلے میں بات بھی کی اور بہت بحث کی مگر بابا ٹس سے مس نہ ہوئے الٹا حماد بھائی سے بھی خفا ہو گئے اور انہیں بھی کہہ دیا کہ اگر انہیں زویا کا اتنا دکھ ہے تو وہ اسی سے تعلق رکھیں اور ہم لوگوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حماد بھائی بھی بابا کی طرح غصے کے بہت تیز اور ضدی ہیں۔ اس دن کے بعد سے وہ پھر ادھر نہیں آئے۔ ہاں ماما سے باقاعدگی سے بات کرتے ہیں۔ ان کی فیملی ہے ایک بیٹا ہے۔ وہ بھی اکثر ماما سے بات چیت کرتے رہتے ہیں اور زویا بھی اکثر ماما سے بات کرتی رہتی ہے۔ لیکن بابا ان دونوں سے بات نہیں کرتے

ہیں۔ میں جانتی ہوں جب وہ دونوں اور ان کے بچے ماما سے اور مجھ سے بات کرتے ہیں تو بابا انہیں دیکھتے ہیں۔ یقیناً" ان کا دل بھی چاہتا ہوگا کہ وہ بھی ان سے بات کریں مگر بس وہ اپنی انا اور غصے کے قلعے میں آج بھی قید ہیں یا شاید وہ یہ چاہتے ہوں کہ وہ دونوں ان سے خود سے بات کریں۔"

"لیکن یار کیا پسند کی شادی کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا اتنا شدید ری ایکشن کہ آپ کی سگی اولاد زندگی اور موت کی کیفیت میں ہو اور آپ اس کی ماں کو اس سے ملنے نہ دو یہ غلط ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی تو حمدان کو اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا۔ اسے حقیقتاً" احمد انکل کے خیالات پہ غصہ آیا تھا اور اس سے زیادہ دکھ اس کی حالت پہ ہوا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پسند کی شادی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی اپنی مرضی پسند ناپسند سے گزارنے کا حق ہے۔ مگر زویا کا طریقہ کار غلط تھا۔ اس نے غلط طریقہ اپنایا۔ اس نے سب کا اعتبار توڑا سب کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا' بابا کا بھی اس میں اتنا قصور نہیں ہے حمدان آپ جن کو دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور وہ یوں آپ کو سب کے سامنے ذلت سے دوچار کردے تو دکھ ہوتا ہے نا اور اس نے تو ایک انسان کی جان کے بدلے میں تمام خوشیاں حاصل کیں اور پھر اس وقت کے حالات اور سچویشن کو دیکھ کر سب کا غصہ ٹھیک لگتا تھا۔ مگر اب جب سے حماد بھائی نے بھی آنا چھوڑ دیا تو مجھے ماما کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔"

"کس کی جان.... کیا مطلب؟" وہ اپنے ہی خیالات سے چونکا تھا۔

"اسفند بھائی' زویا کے منگیتر.... اسفند بھائی میرے تایا کے بڑے بیٹے تھے بے انتہا پرخلوص اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ یہ سب اس وقت ہوا جب میں میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی زویا بڑی تھی اور بڑی اولاد ہونے کے ناتے بابا اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ بے انتہا محبت کرتے تھے' اتنی محبت تو وہ حماد بھائی سے بھی نہیں کرتے تھے جتنی زویا سے کرتے تھے۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا گویا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے بہت سارے خواب دیکھ رکھے تھے وہ اسے اپنی بیٹی نہیں بیٹا کہا کرتے تھے اور اسی بات کو لے کر حماد بھائی اکثر چڑ جایا کرتے تھے۔ اس وقت ہم یہاں نہیں کہیں اور رہا کرتے تھے۔ ہماری دادی بھی ہمارے ساتھ رہا کرتی تھیں اور اوپر کے پورشن میں تایا اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ اسفند بھائی ان کے بڑے بیٹے تھے پھر ایزد تھا اسفند بھائی' زویا اور حماد بھائی کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ خاص کر وہ زویا کا بہت خیال رکھتے تھے اور زویا کا بھی ہر کام ان کے بغیر ادھورا رہتا تھا۔ اسے کہیں آنا جانا ہو یا کوئی بھی اور کام وہ دونوں ہر وقت ساتھ ہی ہوا کرتے تھے۔ وہ مجھ سے بھی بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی کوئی بہن نہیں تھی۔ وہ بس دو بھائی ہی تھے تو وہ مجھے بالکل چھوٹی بہن کی طرح پیار کرتے تھے۔ وہ جب بھی کہیں جاتے تھے تو میرے لیے ہمیشہ ڈولز اور ٹیڈی بیئرز لاتے تھے' تو سب ان پہ ہنستے تھے کہ اب یہ بڑی ہوگئی ہے اور تم اس کے لیے کھلونے لاتے ہو تو وہ کہتے تھے کہ جہاں بھی میں ڈولز دیکھتا ہوں تو مجھے صلہ یاد آتی ہے اور میں اس لیے خرید لیتا ہوں۔ میرے لیے تو یہ چھوٹی سی ڈول ہی ہے۔ وہ ساری ڈولز اور ٹیڈی بیئرز آج بھی میرے محفوظ ہیں۔"

اسفند بھائی کے ذکر پہ اس کی آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔

"میں ان کی ڈول تھی اور زویا ان کا سب کچھ.... پھر ان دونوں کی اس قدر پسندیدگی کو دیکھتے ہوئے ان کی منگنی ہوگئی۔ اسفند بھائی بہت خوش تھے اور اب میں سوچتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے زویا اتنا خوش نہیں تھی جتنا وہ تھے۔ شاید وہ بڑوں کے آگے خاموش ہوگئی تھی۔ ان دنوں اسفند بھائی اپنی تعلیم مکمل کرچکے تھے اور زویا یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی تیاریوں میں تھی۔ پھر اس کا ایڈمیشن یونیورسٹی میں ہوا اور جیسے سب بدل گیا۔ وہ بہت بدل گئی تھی۔ سوچوں میں گم رہتی تھی۔ پہلے کی طرح شوخ و چنچل نہیں رہی تھی

اور اسفند بھائی اسی طرح اس کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ سب اس کی خاموشی کو یونیورسٹی کی تھکن اور پڑھائی کا بوجھ سمجھتے تھے۔ لیکن دراصل بات کچھ اور تھی اور وہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکا اور نہ ہی وہ کسی سے کچھ کہہ سکی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے کسی سے کچھ بھی کہا تو گھر میں ایک طوفان آجائے گا اور کوئی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔

پھر وہ ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا اور جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ مگر شاید وہ سب ایسے ہی ہونا تھا اس کی شادی میں بس ایک ہی ہفتہ باقی رہ گیا تھا۔ اسفند بھائی بہت خوش تھے۔ بے انتہا' ساری تیاریاں مکمل تھیں۔ گھر میں مہمان آنے شروع ہو گئے تھے۔ پھر سب کچھ ویسے ہی رہا بس زویا گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ کسی کو بھی کچھ بھی کہے بنا' بتائے بنا' بہت ڈھونڈا ہر جگہ تلاش کیا... مگر اس کا کچھ پتا نہیں چلا جو ذلت اور رسوائی ہوئی وہ ایک الگ کہانی ہے۔ سب انتہائی غمزدہ اور پریشان تھے اسفند بھائی کو تو جیسے ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ پورے گھر میں صرف دادی تھیں جو بول بول کر دل کی بھڑاس نکالا کرتی تھیں۔

پھر ایک دن اچانک وہ عمر بھائی کے ساتھ آگئی۔ سجی سنوری' بے تحاشا خوش زویا... تب ہمیں پتا چلا کہ عمر بھائی اس کے یونیورسٹی میں ڈپارٹمنٹ میں ینگ انٹرن پروفیسر تھے اور دونوں پہلے ہی دن ایک دوسرے کو دیکھ کر دل ہار بیٹھے تھے پھر جب دونوں گھرانوں کے ماننے کی کوئی صورت نہ نکلی تو ان دونوں نے یہ راہ اپنائی اور سب کو ذلت و رسوائی میں دھکیل کر اپنی نئی دنیا بسالی۔

لازمی بات ہے کسی نے اس سے بات نہ کی اور بہت زیادہ برابھلا کہنے کے بعد ان دونوں کو گھر سے نکال دیا گیا اور آئندہ کبھی نہ ملنے کو بھی کہا گیا۔ اسفند بھائی نے سب کچھ بہت خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ کتنے ہی دنوں سے ایک لفظ بھی نہیں بولے تھے۔ ان کی آنکھیں' ان کا دل جیسے بالکل خالی ہو گیا تھا۔ مگر ان کے دماغ میں کیا چل رہا تھا یہ کوئی نہیں جانتا تھا اور پھر ٹھیک دو دن بعد انہوں نے خودکشی کرلی۔ ان کی موت ہم سب کے لیے بہت بڑا سانحہ تھی۔ زویا کے اس طرح چلے جانے سے بھی زیادہ ہم سب انہیں بہت بہادر سمجھتے تھے۔ بہت مضبوط سمجھتے تھے۔ لیکن محبت میں وہ اس بری طرح ہارے کہ جان سے ہی گزر گئے تھے۔

اس وقت واقعی زویا قصوروار تھی اور اسفند بھائی کا دکھ سب کو دل سے محسوس ہوتا تھا۔ پھر کچھ عرصے بعد تایا اپنی فیملی کے ساتھ باہر شفٹ کر گئے اور ہم لوگ وہاں سے اس گھر میں شفٹ ہوئے تو دادی ہمارے ساتھ ہی تھیں۔ وہ میرے اور ماما کے ساتھ ایسے ہی ہوا کرتی تھیں جیسے زویا کے گھر سے جانے اور اسفند بھائی کی موت کی ذمہ دار ہم دونوں ہوں۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بابا کے اندر بے اعتباری بھردی۔ پھر اس طرح ہمارا ملنا جلنا سب سے بہت کم ہو گیا' ماما کی صحت دن بدن خراب رہنے لگی۔ مگر بابا بہت بدل گئے تھے۔ انہوں نے اپنا دل سخت کر لیا تھا۔ انہوں نے مجھے سب کچھ دیا۔ اچھے سے اچھی تعلیم' آزادی' ہر وہ چیز جس کی ہر انسان خواہش کرتا ہے۔ مگر میں آج تک ان کی محبت اور اعتبار سے محروم رہی ہوں۔ جو ان کی شخصیت کا حصہ تھی۔ کچھ عرصہ پہلے دادی کا انتقال ہو گیا۔ مگر ان کی باتیں آج بھی بابا کے دل میں زندہ ہیں اور شاید ہمیشہ رہیں گی۔

تمہیں پتا ہے حمدان... میرا اکاؤنٹ ہر مہینے پیسوں سے بھر جاتا ہے۔ پر آج بھی میرا دل چاہتا ہے کہ وہ خود مجھے اپنے ہاتھوں سے پاکٹ منی دیں جیسے بچپن میں دیتے تھے۔ میری ہر برتھ ڈے پہ وہ ہر سال مجھے ایک بلینک چیک دے کر جیسے جان چھڑا لیتے ہیں پر آج بھی میرا دل چاہتا ہے۔ وہ بچپن کی طرح میرے لیے کیک لے کر آئیں اور میرے ساتھ مل کر کاٹیں مگر ایسا ہوتا نہیں ہے اور سارے بلینک چیک میری دراز میں ایسے ہی پڑے رہتے ہیں میں نے کبھی ان میں اماؤنٹ بھرا ہی نہیں... کاش بھر سکتی تو ان کی محبت اور اعتبار اس میں بھرتی کیونکہ مجھے ان کے اعتبار اور محبت کی زیادہ ضرورت ہے اور یہ میں زویا کی وجہ سے کھو چکی ہوں۔ اور پتا نہیں کبھی پا بھی سکوں گی کہ نہیں کیونکہ

مجھے لگتا ہے کہ ان کے دل میں آج بھی کہیں یہ بات ہے کہ کہیں میں زویا کی طرح ان کے اعتبار اور محبت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤں۔

لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے کہ میں اگر چاہوں بھی تو کبھی زویا جیسی نہیں بن سکتی کیونکہ میں اتنی خود غرض کبھی نہیں ہو سکتی کبھی بھی نہیں۔۔۔ اور مجھے اپنی اتنی فکر بھی نہیں ہے۔ جتنی ماما کی پریشانی ہے۔ وہ کبھی شکایت کا ایک حرف نہیں کہتیں لیکن ان کی نم آنکھیں ہر وقت شکوے کرتی رہتیں ہیں۔ خاص کر جب سے حماد بھائی ناراض ہوئے ہیں۔ وہ خود کو بہت اکیلا اور تنہا محسوس کرلیتی ہیں اور اب تایا لوگ پھر سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ ان سے ملنے جلنے سے بابا کا موڈ بھی اچھا رہنے لگا ہے۔ مگر ایزد کو دیکھ کر مجھے عجیب سی فیلنگ ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت دیکھی ہے میں نے۔۔۔ غصہ‘ نفرت‘ ناگواری میں کیا کہوں۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتی ہاں بس اتنا ہوا ہے کہ ان کے آنے سے بابا بہت خوش رہنے لگے ہیں اور ماما کا بھی بہت خیال رکھنے لگے ہیں اور میرے لیے یہی بہت ہے۔" وہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوئی تھی۔ اس کی کیفیت اس سے ایسی تھی جیسے کوئی بھاری بوجھ تھا جو اس نے اتار دیا ہو۔

"حالانکہ مجھے یقین ہے کہ اگر زویا اپنی پسند ہم سب کو بتاتی یا صرف اسفند بھائی سے شیئر کرلیتی تو وہ یقیناً" اس کا ساتھ دیتے۔ کیونکہ وہ ایسے ہی تھے۔ وہ کبھی اس کی کوئی بات نہیں ٹالتے تھے۔ مگر شاید یہ سب یونہی ہونا تھا۔"

حمدان بالکل خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ وہ خاموش ہوئی تو وہ جیسے چونک کر جاگا تھا۔ اسے تو ہمیشہ ایسا ہی لگتا تھا کہ ایک وہی ہے۔ جس کے ساتھ برا ہوتا آیا ہے۔ لیکن اسے کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ دنیا میں ایک وہی نہیں ہے جسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ بلکہ دنیا تو مسائل سے بھری پڑی ہے اور ہر انسان ہی خود کو دنیا کا مظلوم ترین انسان سمجھتا ہے۔ جیسے دنیا کے تمام ظلم و ستم صرف اسی کے ساتھ روا ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اگر ارد گرد نگاہ دوڑائی جائے تو ہمارے آس پاس کتنے ہی ایسے لوگ ملیں گے۔ جو مسائل کے انبار تلے دبے ہیں اور جن کا کوئی حل بھی نظر نہیں آتا اور نہ ہی ان کا کوئی پرسان حال ہے۔ پھر بھی وہ جی رہے ہیں۔

"تم وہ شخص ہو جسے میں نے یہ ساری باتیں بتائی ہیں۔ وگرنہ مجھے اپنی پرابلمز کسی سے شیئر کرنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ یا شاید کبھی کوئی ایسا ملا ہی نہیں کہ جس پہ اعتبار کر سکوں۔" اسے خاموش دیکھ کر وہ ذرا سا مسکرا کر بولی تھی۔

"ہوں۔۔۔ اعتبار کرنے کا شکریہ۔ مگر یہ سب سن کر مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں کیا کہوں‘ کیونکہ میں نے بالکل نہیں سوچا تھا کہ احمد انکل کے سخت رویے کے پیچھے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ آئی ایم سوری میں نے تمہیں دکھی کر دیا۔ بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ ذرا سا اس کی سمت جھک کر بولا تھا۔ جواب میں وہ صرف اثبات میں سر ہلا کر مسکرائی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

"تمہیں پتا ہے صلہ کہ ڈیڈ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی میں کوئی ایسا دوست ضرور ہونا چاہیے۔ جس سے آپ اپنے دل کی ہر بات شیئر کر سکیں بنا کسی ڈر کسی خوف کے۔۔۔ اس سے آپ کا دل ہلکا ہوتا ہے۔ آپ کو انرجی ملتی ہے۔ پرانے غم بھلا کر پھر سے آگے بڑھنے کی‘ کیا خیال ہے تمہارا؟" اس نے ڈیڈ کی‘ کی ہوئی بات اس کے ساتھ شیئر کرنے کے بعد اس کی رائے جاننا چاہی تھی۔

"ہاں وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ جس طرح اس وقت میں خود کو بہت ریلیکس فیل کر رہی ہوں۔ حالانکہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں یہ سب کسی سے کہہ پاؤں گی پر آج تم سے کہہ دیا تو لگا کہ دل کا بوجھ کچھ کم ہوا۔۔۔

اچھا ایک بات بتاؤ۔۔۔ تمہارے ڈیڈ تو اتنے اچھے ہیں۔ تم ان سے اتنے خفا کیوں رہتے ہو کیا وجہ ہے؟ اگر تم بتانا چاہو تو۔۔۔" صلہ کے اس طرح پوچھنے پر اس کا

مسکراتا چہرہ چند لمحوں کو بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔
"تمہیں برا لگا تو آئی ایم سوری.... میں تو بس..."
اسے لگا کہ جیسے حمدان کو بہت برا لگا ہے تو وہ ایک دم ہی بولی تھی۔
"نہیں ایسی بات نہیں ہے صلہ...." وہ چند پل خاموش رہنے کے بعد بولا تھا۔ وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"دراصل ڈیڈ میرے سگے والد نہیں ہیں۔" وہ دھیمے سے بولا تھا اور اب کے حیران ہونے کی باری صلہ کی تھی۔ وہ نہایت حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی بات پہ یقین نہ آیا ہو۔
"ہوں.... یہی سچ ہے۔ وہ میرے پاپا کے بڑے بھائی ہیں۔ یعنی میرے سگے تایا... میں جب دس سال کا تھا تو میرے پاپا کا انتقال ہو گیا بالکل اچانک...." وہ پھر سے رکا تھا۔
صلہ خاموشی سے اس کی نم آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ خود پہ ضبط کر رہا تھا۔ صلہ کو افسوس ہوا کہ اس نے یہ بات کیوں پوچھی۔ اسے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔
"میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ یہ جو میرے اندر میوزک کا شوق ہے نا ان ہی کا پیدا کردہ ہے۔ کیونکہ وہ میوزک کے بے حد شوقین تھے۔ پیانو بہت اچھا بجاتے تھے۔ پیانو بجانا مجھے انہوں نے ہی سکھایا تھا۔
پھر وہ چلے گئے اور میں جیسے پاگل ہو گیا۔ میں ماما سے زیادہ ان کے قریب تھا۔ میں روتا تھا چلاتا تھا کہ مجھے پاپا کے پاس جانا ہے اور ماما مجھے سنبھال سنبھال کر تھک جاتی تھیں پھر آہستہ آہستہ میں سنبھل گیا۔" آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کی آواز میں بھی نمی گھل گئی تھی۔ وہ کتنے لمحے خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا تھا۔
"ہم سب ساتھ ہی رہتے تھے' دادا' ڈیڈ' حنین اور حمنہ' ڈیڈ کی اپنی وائف سے علیحدگی ہو گئی تھی پتا نہیں کیوں؟ وہ حنین اور حمنہ کو یہیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ ڈیڈ ہی ان دونوں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ماما اور دادا بھی' پھر پاپا کے بعد ڈیڈ ہم تینوں کا بہت خیال رکھتے تھے وہ مجھے زیادہ وقت دیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں پاپا سے کس قدر اٹیچڈ تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد دادا کا انتقال ہو گیا اور ماما کو وہاں رہنا شاید مشکل لگنے لگا۔ کیونکہ نانا اور نانی کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا اور ماما کی بس ایک ہی بہن تھیں وہ دوسرے شہر میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتی تھیں اور لازمی بات ہے کہ اب ماما ان پہ تو بوجھ نہیں بن سکتی تھیں۔ پھر کچھ رشتے داروں اور بزرگوں کے مشورے سے ماما اور ڈیڈ کا نکاح کر دیا گیا اور مجھے یہ بات بہت بری لگی کیونکہ میرے دل اپنے پاپا کی محبت اور ان کے نقوش اتنے گہرے تھے کہ میں کسی کو بھی ان کی جگہ نہیں دے سکتا تھا۔ پھر چاہے وہ ڈیڈ ہی کیوں نہ ہوں۔ پھر ماما نے ڈیڈ نے مجھے بہت سمجھایا۔ مگر میرے دل میں ڈیڈ کے لیے یوں سمجھو ایک نفرت سی آگئی۔ حالانکہ وہ میرا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگے تھے۔ حنین اور حمنہ سے بھی زیادہ کیونکہ وہ دونوں تو پہلے ہی سے ماما سے بہت مانوس تھے۔ سو انہیں کوئی پرابلم نہیں تھی اور پھر حنین جلد ہی پڑھائی کے لیے باہر چلا گیا تو ان کی تمام تر توجہ کا مرکز میں ہی رہا۔ وہ اپنا ٹائم اور پوری توجہ مجھے ہی دیتے تھے۔ مگر مجھ میں ایک ضد سی آگئی تھی۔ پھر میں ان کی ہر بات میں نفی کرتا گیا اور وہ بس خاموشی سے مجھ سے محبت کرتے رہے۔ میں نے آج تک اپنے نام کے ساتھ کبھی ان کا نام نہیں لگایا میں آج بھی حمدان رضا ہوں حمدان مرتضیٰ نہیں۔ مگر انہوں نے کبھی مجھے نہیں ٹوکا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حمدان کی پہچان رضا سے ہے وہ ہمیشہ اس کے نام سے پہچانا جائے گا۔
وہ مجھے میوزک سے منع کرتے تھے۔ میں نے میوزک کو اپنا پروفیشن بنا لیا وہ خاموش رہے۔ ان کے لاکھ کہنے پہ بھی میں نے بزنس جوائن نہیں کیا۔ ہاں اب بھی کبھی احسان جتا کر چلا جاتا ہوں وہ اس پہ بھی خوش ہو جاتے ہیں۔ وہ مجھے کبھی بھی کسی بھی چیز سے منع کیا کرتے تھے نا صلہ تو میں سوچا کرتا تھا کہ آج اگر میرے پاپا ہوتے تو وہ مجھے کبھی نہ روکتے اور میں ان سے

مزید دو قدم اور پیچھے ہو جاتا تھا اور مجھے پاپا پہ بھی غصہ آتا تھا جب وہ ان کی طرف داری کیا کرتی تھیں اور حمنہ اور حنین کی مثالیں دیا کرتی تھیں اور تب میں کہتا تھا کہ میں جیسا ہوں ویسا ہی ٹھیک ہوں۔ میں چڑ جاتا تھا۔ میں کئی کئی دن گھر نہیں آتا۔ وہ دونوں میرا انتظار کرتے ہیں اور ڈیڈ روز علی سے فون کر کے میری خیریت پوچھتے ہیں اور پہلے میں چڑ جایا کرتا تھا کہ وہ مجھ پہ نظر رکھتے ہیں اب میں شرمندہ ہوتا ہوں۔" اس کے لہجے میں شرمندگی اتر آئی تھی۔

"اس رات صلہ.... اس رات جب ڈیڈ کی طبیعت خراب ہوئی تو وہ لمحہ جیسے مجھے برسوں پیچھے دھکیل گیا۔ مجھے لگا میں پاپا کی طرح انہیں بھی کھو دوں گا۔ وہ آدھے گھنٹے کا راستہ جیسے صدیوں پہ مشتمل ہو گیا تھا میرے لیے ایک ایک لمحہ جیسے مشکل ہو رہا تھا۔ مجھے لگا کہ جیسے میں ایک دم ہی کڑی دھوپ میں آ کھڑا ہوں، ننگے سر ننگے پاؤں کسی انہونی کا سوچ کر جیسے میرا وجود جلنے لگا تھا اور جب ان کی خیریت کی اطلاع ملی تو یوں لگا کہ جیسے مجھے نئی زندگی مل گئی۔ تب میں نے سوچا میں کتنا غلط تھا۔ میری سوچ کتنی غلط تھی۔ میں جو اپنے میوزک سے لوگوں میں انسانیت اور اچھائی کی سوچ اجاگر کرتا ہوں۔ خود میرے اندر کتنی نیگیویٹی (منفیت) ہے مجھے خود سے شرم آنے لگی۔"

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ دیواروں سے دھوپ اترنے لگی تھی۔ اور پول کا پانی اب سیاہی مائل لگنے لگا تھا۔ سامنے رکھی چائے کپ کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ ان دونوں کو پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"آج میں سوچتا ہوں۔ اگر اس وقت پاپا کے بعد وہ ہمیں نہ سنبھالتے تو آج میں اور ماما کہاں ہوتے۔ آج میں جو کچھ ہوں بس ان ہی کے دم سے ہوں۔ میں بھی کتنا پاگل ہوں نا کہ ان سے بدگمان رہا انہوں نے تو اپنے بچوں سے بڑھ کر مجھے چاہا۔ آج جو پوری دنیا مجھے جانتی ہے۔ لوگ میرے پیچھے دیوانے ہیں۔ میری ایک پہچان ہے 'ایک نام ہے۔ وہ یقیناً" ان ہی کی محبت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ شاید آج حمدان رضا وہ نہ ہوتا

جو وہ ہے۔ پتا ہے پہلی بار میں نے جس میوزک کمپنی کے لیے کام کیا وہ ڈیڈ کے جاننے والے تھے اور انہوں نے مجھے ڈیڈ کی وجہ سے بہت سپورٹ کیا۔ کچھ میری آواز بھی اچھی تھی۔ سو مجھے بریک تھرو مل گیا اور میں سمجھتا رہا کہ یہ ساری میری اپنی محنت تھی۔ حالانکہ وہاں بھی وہی میرے پیچھے تھے۔ پہلے جن باتوں سے میں چڑ جاتا تھا اب وہی باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ کیونکہ اب مجھے ان کی محبت نظر آتی ہے۔ وہ دکھائی دیتا ہے جو سچ ہے صحیح ہے۔ کیونکہ اب میں بدگمان نہیں رہا۔ وہ میری ماما کو بھی خوش رکھتے ہیں اور یہ احساس مجھے خوشی دیتا ہے۔ اب میں کوشش کرتا ہوں کہ انہیں تنگ نہ کروں.... ورنہ دنیا میں ایسے کتنے بچے ہوں گے جو ماں باپ کے انتقال کے بعد زمانے کی ٹھوکروں میں آ جاتے ہیں۔ میں تو اللہ کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہے کہ اس نے مجھے خوش نصیبوں میں رکھا اور زمانے کی ٹھوکروں سے بچا لیا ہمیں رشتوں کی قدر کا احساس انہیں کھونے کے بعد ہوتا ہے صلہ.... اور میں انہیں کھونا نہیں چاہتا صلہ.... کیونکہ میں ڈیڈ سے سچ میں بہت محبت کرنے لگا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی اتر آئی تھی اور وہ مطمئن سا مسکرا دیا تھا۔

"ہوں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں واقعی رشتوں کو کھونے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے لیے کتنی قیمتی تھے اور ہم نے کیا کھو دیا ہے۔ مگر پھر بھی ہم ہر بار اپنی انا اور ضد میں الجھ کر وہی غلطی دہراتے ہیں اور پھر بعض دفعہ صرف پچھتاوے رہ جاتے ہیں۔"

صلہ نے ٹشو سے آنکھوں کے کنارے کو صاف کیا تھا۔

"باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔" شام کافی گہری ہو گئی تھی۔ وہ فوراً" ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کچھ دیر تو بیٹھو نا.... ابھی تک ہم دونوں ایک دوسرے کو شاید بور ہی کر رہے تھے۔ اب کچھ اپنی

باتیں کرتے ہیں۔"

اسے یک دم ہی احساس ہوا کہ وہ جا رہی ہے اور آج اسے سب کچھ کہہ دینا چاہیے کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچنے لگا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ شاید یہ صحیح موقع ہے۔ اسے صلہ کو روک لینا چاہیے۔

"نہیں حمدان... آج کے لیے اتنی بوریت کافی ہے۔ پھر کبھی سہی۔ ابھی میں چلتی ہوں۔" وہ مسکرا کر جانے کو تیار ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر پھر کب ملو گی۔" وہ جانے سے پہلے پوچھ لینا چاہتا تھا۔

ملازم نے آکر ایک بوکے اور شاپنگ بیگ حمدان کو پکڑایا تھا جسے حمدان نے ملازم کے جانے کے بعد صلہ کو تھمایا تھا۔

"یہ کیا ہے..." وہ حیرانی سے تھامتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"پہلی بار... میرے گھر آئی ہو... خالی ہاتھ کیسے جانے دیتا۔" وہی دلکش مسکراہٹ زیر کر دینے والی۔

"تھینک یو سوچ..." صلہ کو اچھا لگا حمدان کا یہ انداز۔ اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب اس نے ملازم سے یہ سب کچھ منگوایا تھا۔

"چلو شروعات تو ہوئی... اظہار محبت نہ سہی... تحفہ ہی سہی پھول بھی تو محبت کی نشانی ہوا کرتے ہیں۔"

وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ کر سوچ رہا تھا۔ اس نے صلہ کو گیٹ تک چھوڑا تھا۔ وہ جب اپنے گیٹ کے اندر چلی گئی اور پلٹ کر اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تو وہ مطمئن سا ہو کر واپس اپنے بیڈ روم میں چلا آیا۔ اور جوتوں سمیت ہی بیڈ پہ لیٹ گیا۔

"کہیں کبھی ایسا ہو کہ تم یہیں رہو ہمیشہ اور کبھی اس گھر سے نہ جاؤ۔" یہ خواہش شدت سے اس کے دل میں زور پکڑتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"صلہ... کیا کر رہی ہو بیٹا۔" آج سنڈے تھا اور وہ ناشتے کے بعد وہیں لاؤنج میں بیٹھی ایک میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ تبھی ماما اس کے پاس چلی آئی تھیں۔

"کچھ نہیں ماما... کوئی کام ہے تو بتایئے۔" وہ میگزین رکھ کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"بیٹا ذرا یہ لسٹ تو بنا دو۔ دراصل تمہارے بابا نے آج عباس بھائی اور ان کی فیملی کو ڈنر پہ انوائٹ کیا ہے۔ تو ڈنر کی تیاری کرنی ہے۔ تم یہ لسٹ بنا دو ذرا تو ملازم جا کے لے آئے گا۔"

ماما نے پین اور ڈائری اسے پکڑائی تھی اور بتانے لگیں کہ کیا کیا لکھنا ہے۔ جانے کیوں ان کی آمد کا سن کر اسے اچھا نہیں لگا تھا' بابا آئے روز ہی انہیں بلا لیتے تھے۔ بہرحال وہ بنا کچھ بھی کہے وہ کرتی گئی جو ماما نے کہا تھا۔

اس رات تایا اور تائی کے ساتھ ایزد بھی پہلی بار ان کے گھر آیا تھا اور جانے کیوں ہر بار کی طرح آج بھی صلہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی مل چکی ہے مگر کہاں' یہ اسے سوچنے پہ بھی یاد نہیں آیا تھا۔ پھر ڈنر کے بعد جب وہ لان میں ٹہل رہی تھی تبھی ایزد بھی وہیں چلا آیا تھا اس کا رویہ آج ہمیشہ سے یکسر مختلف تھا اور وہ سب سے اچھے سے ملا تھا۔ اس دن اس سے کچھ دیر بات کر کے صلہ کو لگا کہ وہ ویسا نہیں ہے جیسا نظر آتا ہے اور ہمیشہ رہنے والی اس کی آنکھوں کی وہ کیفیت جسے صلہ کبھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ بھی غائب تھی۔ آج اس کی آنکھیں بھی صاف ستھری اور روشن لگ رہی تھیں نجانے کیوں۔ صلہ کو اسے دیکھ کر اسفند بھائی کی یاد آئی تھی کیونکہ دونوں بھائیوں میں خاصی مماثلت تھی اب پتا نہیں ایزد بھی ویسا ہی تھا جیسے اسفند بھائی تھے یا نہیں یہ صلہ نہیں جانتی تھی اور اس رات کی اگلی صبح بابا نے اسے اور مما کو بتایا تھا کہ انہوں نے اور تایا نے صلہ کا اور ایزد کا رشتہ طے کر دیا ہے۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں میرے فیصلے پہ کوئی اعتراض تو نہیں ہے

صلہ 'اگر ہے تو ابھی بتا دو سوچ لو اچھی طرح" بابا کے پوچھنے کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اگر تمہیں بھی کوئی اور پسند ہے تو ابھی بتا دو یا تم بھی بہن والا طریقہ اپناؤ گی۔ صلہ کا وجود جیسے پل میں کرچی کرچی ہوا تھا۔ آنکھیں تیزی سے نم ہوئی تھیں۔

"بابا آپ ابھی تک مجھے سمجھ نہیں سکے کہ میں صلہ ہوں' زویا نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی زویا بن سکتی ہوں۔ کیونکہ مجھ میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے یا مجھ میں آپ کو دکھ دینے کا حوصلہ ہی نہیں ہے۔ ہاں اپنا آپ میں خوشی سے قربان کر سکتی ہوں اور میں یہی کروں گی۔"

وہ خاموش تھی' اس کے لب ساکت تھے۔ مگر اس کا دل رو رہا تھا کہہ رہا تھا' شکوہ کر رہا تھا' مگر بابا نہیں سن سکتے تھے کیونکہ انہوں نے کبھی اس کے دل کی آواز نہیں سنی تھی۔ ان کی رسائی صرف زویا کے دل تک تھی صلہ کے نہیں۔ ماما بھی وہیں موجود تھیں۔ یہ خبر ان کے لیے بھی شاکنگ تھیں۔ مگر وہ بھی شکایت نہیں کر سکتی تھیں اس لیے وہ بھی چپ تھیں اور صلہ کے کچھ کہنے کی منتظر تھیں۔

"نہیں بابا..... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ یقیناً" جو بھی فیصلہ کریں گے..... وہ میرے لیے بہترین ہو گا۔"

وہ وہی بولی تھی جو بابا سننا چاہتے تھے اور جیسے انہیں یقین تھا کہ صلہ کبھی ان کے فیصلے سے انکار نہیں کرے گی۔ اس لیے تو بنا اس سے پوچھے خود ہی سب کچھ طے کر ڈالا تھا۔ صرف ماضی میں ہوئی زیادتی کا ازالہ کرنے کے لیے اور بھائی سے قریب رہنے کے لیے وہ اب پھر سے اپنے بھائی کو کھونا نہیں چاہتے تھے اور ان ہی کی خواہش پہ انہوں نے ایزد کے لیے ہاں کہہ دی تھی اور اب صلہ کا جواب سن کر جیسے مطمئن سے ہو کر اٹھ کر چلے گئے تھے۔

"صلہ میری جان ایسا مت کرو اپنے ساتھ' پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ تم وہاں خوش نہیں رہ پاؤ گی۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لو اچھی طرح سے سوچ لو پھر کوئی فیصلہ کرنا۔"

ماما نے اسے قریب کر لیا تھا خود سے۔ اس کی نم آنکھیں ماما سے چھپی نہیں رہی تھیں۔ وہ ماں تھیں نجانے کیوں ان کا دل کسی انہونی کے احساس سے ابھی سے دھڑک رہا تھا۔ خبردار کر رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ماما' بابا خوش ہیں میرے لیے یہی کافی ہے۔ جہاں زندگی میں سارے کام ان کی مرضی سے کیے ہیں تو میں اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف کیسے کر سکتی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں رہ لوں گی خوش آپ فکر نہ کریں۔" اس نے آنسوؤں کو بہنے سے بمشکل روک رکھا تھا۔ وہ جو خود کو بہت بہادر سمجھتی تھی۔ آج خود کو سمیٹ نہیں پا رہی تھی۔ اس نے بہت پہلے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی بھی زویا نہیں بنے گی۔ وہ خود غرضی نہیں دکھائے گی۔ اسے ڈر لگتا تھا دوریوں سے جدائیوں سے' وہ یہ عہد نبھائے گی ہر حال میں اسے اپنے وجود کی نفی کرنا آتا تھا اور اب بھی اسے ایسا ہی کرنا تھا۔

✡ ✡ ✡

آج وہ کتنے دنوں بعد ڈیڈ کے ساتھ جوگنگ کے لیے نکلا تھا۔ وہ بھی ڈیڈ کے شکوہ کرنے پر' ورنہ تو عموماً" وہ اس وقت سو رہا ہوتا تھا یا گھر پہ ہوتا ہی نہیں تھا۔ کل رات وہ خاصا بے چین رہا تھا اور یہ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا پھر جب وہ اور ڈیڈ واپس آ رہے تھے تو وہیں گھر کے پاس انہیں احمد انکل اور صلہ ملے تھے۔ شاید وہ لوگ بھی صبح کی واک کو نکلے تھے اور اب واپس آ رہے تھے۔ صلہ بھی اسے کچھ ڈسٹرب سی لگی تھی۔ اس کی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھیں عیاں کر رہی تھیں کہ یا تو وہ کل رات ٹھیک سے سوئی نہیں ہے یا پھر پوری رات روتی رہی ہے۔

"مگر..... کیوں کیا وجہ ہے۔" وہ انجان تھا۔ صلہ زیادہ دیر وہاں رکی بھی نہیں تھی۔ ان دونوں سے بات کر کے ڈیڈ سے ان کی اور ماما کی خیریت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد وہ گھر کے اندر چلی گئی تھی اور وہ خاموشی سے اسے

دیکھتا رہا تھا۔ بے کلی سی جیسے پورے وجود پہ چھا گئی تھی۔

"اور بھئی حمدان بیٹا... تم آج کل کیا کر رہے ہو۔ ٹی وی پر تو اکثر ہی تمہیں دیکھتے رہتے ہیں۔ وہی کر رہے ہو یا اس کے علاوہ بھی کچھ کر رہے ہو۔" وہ بڑے خوشگوار انداز میں اس سے پوچھ رہے تھے۔ حمدان کو ان کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا تھا۔

"ارے نہیں بھئی میوزک کے ساتھ ساتھ اب حمدان روز میرے ساتھ آفس بھی جاتا ہے اور بزنس کو بھی مکمل وقت دیتا ہے۔" اس کی بجائے ڈیڈ نے انہیں بتایا تھا۔

"چلو یہ تو اچھی بات ہے۔ ویسے بھی ان فضول کاموں میں کیا رکھا ہے۔"

"انکل وہ میرا شوق ہے اور مجھے وہ کرنا اچھا لگتا ہے۔" شاید وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہے تھے۔ لیکن حمدان نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔ تھی تو یہ بدتمیزی مگر وہ خود کو روک نہیں پایا تھا۔

"ایسے شوق کا کیا فائدہ بیٹا جس میں وقت اور پیسے دونوں کا زیاں ہو۔ اس سے بہتر ہے انسان کسی فائدہ مند کام میں پیسہ اور وقت صرف کرے۔ تاکہ کل کو کوئی فائدہ تو ہو۔" ان کی بات سن کر حمدان کے چہرے کے تاثرات بہت تیزی سے بگڑے تھے اور ڈیڈ نے فوراً ہی اس بات کو محسوس کرلیا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے احمد بھائی' انسان کو ہر چیز میں فائدہ نقصان نہیں دیکھنا چاہیے۔ ہم تم بھی تو اپنی جوانی میں ایسے ہی تھے' اپنے آپ میں مگن' بنا کسی کی بھی پروا کیے تو کیا ہمیں اپنے بچوں کو اتنی اسپیس نہیں دینی چاہیے کہ اپنا تھوڑا سا وقت وہ اپنے شوق کو دے سکیں تاکہ وہ ہمیں بھی اتنی ہی اسپیس دیں اور ہم سے بدگمان نہ ہوں۔ کم از کم میں تو اس بات کا قائل ہوں۔ میں نے حمدان کو کبھی میوزک کرنے سے روکا نہیں ہے۔ ہاں سمجھایا ضرور ہے کہ وہ تھوڑا سا وقت اپنے بزنس کو بھی دے۔ حنین کا تو تمہیں پتا ہے۔ باہر کا ہی ہو کر رہ گیا ہے۔ اب آخر کل کو سب کچھ حمدان نے ہی سنبھالنا ہے تو اسے تھوڑی سمجھ بوجھ تو ہونی چاہیے نا باقی آگے وہ خود سمجھ دار ہے۔"

ڈیڈ نے بات سنبھالی تھی اور کیا خوب سنبھالی تھی کہ احمد انکل چند پل کو بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ ان کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ جیسے شاید کبھی وہ بھی ان ہی خیالات کے مالک تھے۔ لیکن وقت اور حالات نے انہیں بہت بدل دیا تھا۔ ان کے دل میں فوراً ہی صلہ کا خیال آیا تھا۔

"کہیں وہ اس کے ساتھ زیادتی تو نہیں کر رہے۔" وہ جانتے تھے کہ وہ کبھی بھی انہیں کسی بھی بات کے لیے منع نہیں کرے گی۔ ان کی بات کو کبھی نہیں ٹالے گی۔ مگر بس وہ ڈرتے تھے کہ کہیں وقت خود کو نہ دہرائے۔ پھر انہوں نے جلد ہی تمام خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا تھا اور پھر ان دونوں سے خوشگوار انداز میں کچھ اور باتیں کرنے کے بعد اندر چلے آئے تھے۔

"کیا بات ہے آج احمد انکل کا موڈ بہت اچھا تھا۔" حمدان کا پورا دھیان ابھی بھی صلہ کی طرف تھا۔ مگر پھر بھی اس نے ڈیڈ سے احمد انکل کے بارے میں پوچھا تھا۔

"ہاں بھئی بیٹی کی شادی کر رہا ہے۔ خوش تو ہوگا۔" ڈیڈ نے اندر داخل ہوتے ہوئے بتایا تھا اور وہ تو جیسے وہیں رک گیا تھا۔

"بیٹی..." اس کے منہ سے فقط اتنا ہی نکلا تھا۔

"ہاں صلہ کی بات طے کردی نا اس نے ایزد سے اور جلد ہی شادی بھی ہے۔ تمہیں نہیں پتا۔" انہوں نے رک کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ الفاظ تو جیسے کھو گئے تھے۔

"ابھی پچھلے ہفتے ہی تو اس کی منگنی ہوئی اس کے تایا زاد ایزد سے' تم لاسٹ ویک خاصے بزی تھے۔ اس لیے شاید تمہیں بتانے کا موقع نہیں ملا۔" ڈیڈ اسے بتا کر اندر چلے گئے تھے اور وہ جہاں تھا۔ وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"حمدان تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے... جلدی کرو

یار.... دیر ہو جائے گی۔" وہ اس وقت علی کے اپارٹمنٹ میں موجود تھا اور کتنی ہی دیر سے یونہی خاموش بیٹھا تھا۔ بنا ایک بھی لفظ بولے بالکل چپ چاپ ہارا ہوا جیسے بالکل خاموش۔

"حمدان.... کیا ہوا ہے؟ کب سے دیکھ رہا ہوں۔ اس طرح کیوں بیٹھے ہو۔" وہ اب بھی بنا جواب دیے ویسے ہی بیٹھا رہا تھا۔ جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔

"حمدان...." علی نے پاس آکر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا آج حمدان کے وڈیو کی شوٹ تھی اور وہ لوگ آل ریڈی لیٹ ہو چکے تھے اور علی کو بھی یہی فکر کھائے جا رہی تھی کیونکہ جس ڈائریکٹر کے ساتھ وہ لوگ کام کر رہے تھے۔ وہ خاصا کھڑوس مشہور تھا ذرا سے دیر ہونے پہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلا جاتا تھا اور علی نہیں چاہتا تھا کہ انہیں اس کھڑوس کی منتیں کرنا پڑیں کیونکہ بلاشبہ وہ اپنے کام میں ماہر تھا۔

"اٹھو نا، چینج کرو.... شوٹ پہ جانا ہے اور...."

"فار گاڈ سیک علی.... تم کچھ دیر کو خاموش نہیں رہ سکتے۔ نہیں جانا مجھے کہیں بھی.... کینسل کر دو سب کچھ.... پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ ایک دم ہی اپنا ٹمپر لوز کر گیا تھا اور اب بالوں میں ہاتھ پھنسائے بالکل نڈھال سا بیٹھا تھا۔ اس کا ذہن بس بھٹک بھٹک کر صلہ کی طرف جا رہا تھا۔ اسی لیے وہ اتنی خاموش اور اداس تھی۔ خوش نہیں تھی۔

"کیا بات ہے؟ کچھ تو بتاؤ؟" اب علی حقیقتاً" پریشان ہوا تھا۔ کیونکہ حمدان کو وہ اس طرح پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ وہ اس طرح سے اپنا ٹمپر کبھی لوز نہیں کرتا تھا۔ علی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔ جیسے یقین ہو کہ ابھی وہ سب کچھ بتا دے گا۔

"علی.... صلہ؟"

"کیوں کیا ہوا ہے صلہ کو۔" اتنا کہہ کر جب وہ خاموش ہو گیا تو سچ مچ علی کو تشویش ہونے لگی تھی۔

"شی از گیٹنگ میرڈ ود ہر کزن"

وہ بمشکل بولا تھا۔ دل ٹوٹ رہا تھا اور اس کے ٹکڑے جیسے یہیں آس پاس گر رہے تھے اور وہ چپ چاپ بس دیکھ رہا تھا۔ مکمل بے بسی سے بالکل بے بس لاچار.... زندگی میں ہم بہت کچھ کھو دیتے ہیں۔ مگر محبت کھونا سب سے مشکل ہے۔ اس کا دل مر رہا تھا لمحہ بہ لمحہ اور وہ دیکھ رہا تھا۔

"واٹ.... کیا کہہ رہے ہو۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ بھی شاکڈ ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ صلہ سے حمدان کی محبت سے پہلے دن سے واقف تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ حمدان اس کے لیے کس حد تک سیریس ہے اور اب یہ سب....

"ہاں ایسا ہو رہا ہے اور یہ سب میرا قصور ہے۔ میں اس سے کچھ کہہ ہی نہیں پایا کتنے ہی موقعے کھو دیے میں نے.... اسے سب بتانے کے.... سب کہنے کے.... کاش میں.... میں اسے سب کچھ کہہ دیتا۔ سب بتا دیتا تو شاید یہ سب ایسے نہیں ہو رہا ہوتا۔" وہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا بے قراری سے ادھر ادھر چکراتا وہ کہیں سے بھی وہ کول مائنڈ حمدان رضا نہیں لگ رہا تھا۔ جو ہر وقت گنگناتا مسکراتا رہتا تھا۔ اس وقت اس کی چمکتی آنکھوں میں نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا علی.... ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں کیسے رہوں گا اس کے بغیر.... میں نہیں رہ سکتا.... میری زندگی میں آنے والی وہ پہلی لڑکی ہے۔ جس سے میں نے اس قدر ٹوٹ کر محبت کی ہے اور میں اسے ایسے کھونے دوں.... نہیں کبھی نہیں۔"

"کول ڈاؤن حمدان سنبھالو خود کو.... ایسے مت کرو پلیز.... تم ایک بار اس سے بات کر کے تو دیکھو ہو سکتا ہے کہ کوئی حل نکل آئے۔ وہ انجان ہے تمہاری فیلنگز سے جان کر ہو سکتا ہے کہ تمہارا ساتھ دے۔" علی اس طرح سے اسے بے چین اور مضطرب نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سو اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔

"نہیں اتنا تو میں جانتا ہوں کہ وہ وہی کرے گی جو اس کے بابا کہیں گے۔ میرے بات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

اس کے لہجے میں مایوسی در آئی تھی۔ کیونکہ جانتا

تھا صلہ کو کہ وہ خود کو قربان کرنا اور اپنی زندگی اور خواہشات کو داؤ پہ لگانا اچھی طرح جانتی ہے پھر بھی وہ ایک بار اس سے بات ضرور کرے گا کہ اس نے اتنی بڑی بات اس سے چھپائی کیوں.... وہ بات ضرور کرے گا اس نے فیصلہ کرلیا تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر میں بس آج کل ایک ہی ذکر چل رہا تھا اور وہ تھا صلہ اور ایزد کی شادی' بابا بہت خوش تھے برسوں پرانی ان کی خواہش جو پوری ہونے جا رہی تھی۔ ماما بھی انہیں خوش دیکھ کر مطمئن تھیں۔ مگر وہ دل میں تھوڑی سی ڈری ہوئی بھی تھیں۔ ان کے دل کو جانے کیوں ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ کسی انہونی کا خوف اور صلہ بس خاموش تماشائی بنی سب کچھ دیکھ رہی تھی وہ کچھ محسوس نہیں کرپا رہی تھی نہ دکھ اور نہ خوشی بس وہ خاموش تھی بالکل چپ اور جو ہو رہا تھا اسے ہوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

پچھلے کئی دنوں سے حمدان نے اسے کتنے ہی فون کر ڈالے تھے۔ کتنے ٹیکسٹ کیے تھے۔ مگر اس نے نہ تو کوئی کال ریسیو کی تھی اور نہ ہی کسی ٹیکسٹ کا جواب دیا تھا۔ وہ اپنی ہی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ آج کل ہر چیز سے بے زار اور لاتعلق سی ہو گئی تھی۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ حمدان کو یقیناً" اس کی اور ایزد کی منگنی کا پتا چل گیا ہے اور وہ کیا کہنا چاہتا ہو گا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی سمجھ سکتی تھی۔ اس نے بارہا اس کی چمکتی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی بلکہ پسندیدگی سے بھی بڑھ کر بہت کچھ دیکھا تھا اور وہ اس وقت اس سے بات کر کے ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ بہت ساری باتیں تھیں جنہوں نے مل کر اس کے ذہن و دل پہ بوجھ کو بڑھا دیا تھا جانے کب تک وہ اپنی اسی سوچ میں مگن رہتی۔ اگر اس کا سیل فون اس کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرا لیتا۔ وہاں خلاف توقع اجنبی نمبر تھا وہ چند لمحے اسی طرح خاموشی سے بیٹھی اسکرین کو جلتا بجھتا دیکھتی رہی۔ جب مسلسل بجتا رہا تو اس نے مجبوراً" کال پک کرلی دوسری طرف علی تھا۔ وہ اس کی کال سے حیران تھی اور کسی قدر پریشان بھی کیونکہ آج سے پہلے علی نے اسے کبھی فون نہیں کیا تھا تو پھر آج ایسا کیا تھا؟ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں اس طرح آپ کو کال کرنے پہ شرمندہ ہوں۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔"

"جی کہئے کیا بات ہے۔"

جانے کیوں صلہ کے دل کی دھڑکن اس پل ایک دم ہی تیز ہو گئی تھی۔

"صلہ کیا آپ حمدان سے مل سکتی ہیں۔" علی نے ریکویسٹ کی تھی۔

"کیوں کیا ہوا ہے۔" اس نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

"وہ دراصل...." وہ چند لمحوں کو رکا تھا۔ جیسے سوچ رہا ہو کہ بات کیسے شروع کرے۔

"وہ پچھلے کئی دنوں سے تھوڑا اپ سیٹ ہے۔ مطلب وہ بہت اپ سیٹ ہے۔ وہ کتنے ہی دنوں سے گھر نہیں گیا۔ انکل آنٹی بھی اس کے لیے بہت پریشان ہیں۔ اس نے اپنا بہت برا حال بنا رکھا ہے اپنا .... اس نے اپنے سارے کانسرٹس ساری شوٹس کینسل کردی ہیں۔ کچھ سننے سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔ میڈیا میں اس کے بارے میں عجیب عجیب سی افواہیں پھیل رہی ہیں۔ میں وضاحت کر کر کے تھک گیا ہوں۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"ہاں میں سمجھ رہی ہوں.... مگر سوری علی.... میں نہیں آسکتی میں بہت بزی ہوں آج کل۔"

وہ سب کچھ اچھی طرح سمجھنے اور جاننے کے باوجود اس سے ملنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو آگے بڑھایا تھا۔ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے خود کو پیچھے نہیں دھکیل سکتی تھی۔

"پلیز صلہ.... صرف ایک بار چند لمحوں کو.... شاید آپ اسے کچھ سمجھا سکیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ صرف آپ کی ہی بات کو سمجھے گا پلیز...."

وہ جانتی تھی علی جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ اس نے

یقیناً" بہت مجبور ہو کر صلہ کو کال کی ہو گی۔ کیونکہ وہ حمدان سے بہت محبت کرتا تھا۔ صلہ کی دھڑکنوں میں اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ دل اسے مجبور کر رہا تھا۔ بہکا رہا تھا اور دماغ مختلف تاویلوں اور دلیلوں سے اسے روک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے علی میں آجاؤں گی۔ آپ اپنا ایڈریس مجھے ٹیکسٹ کر دیں۔" بس لمحے بھر کی بات تھی اور فیصلہ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ ماما کو بتا کر گاڑی لے کر علی کے بتائے ہوئے ایڈریس پہ پہنچ گئی وہ بس ایک آخری بار اس سے مل کر اس سے بات کرنا چاہتی تھی وہ جانتی تھی کہ وہ اس کی بات کو سمجھے گا مان جائے گا دروازہ علی نے ہی کھولا تھا۔ حمدان اندر اپنے میوزک روم میں تھا۔ علی اسے روم کے سامنے چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اس نے دروازہ ناک کیا تھا۔ مگر اندر سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے دروازہ ذرا سا کھولا تھا اندر گھپ اندھیرا تھا۔ حمدان اسے کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ لاؤنج سے ہلکی سی روشنی اندر تک جا رہی تھی اور اسی روشنی میں اس نے دیکھا تھا کہ اندر چاروں طرف میوزک انسٹرومنٹ ہی تھے اور حمدان.... تبھی وہاں ایک سائڈ میں اوپر تلے رکھے کاؤچ پہ اسے ایک سائے کا گمان ہوا تھا۔ وہ اندازے سے آگے بڑھی تھی۔ وہ اس طرح رخ موڑے بیٹھا تھا۔ جیسے سارے زمانے سے خفا چھپ کر یہاں بیٹھا ہو۔

"حمدان...." صلہ نے دھیمے سے پکارتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا وہ ویسے ہی بیٹھا رہا تھا۔

"حمدان...." پکار پھر قریب سے ہی آئی تھی۔

"کیا میرے خواب اس قدر طاقت ور ہو گئے ہیں کہ مجسم میرے سامنے آکھڑے ہوئے ہیں۔" وہ ذرا سا رخ پھیرے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"تم ٹھیک تو ہو؟ اتنے اندھیرے میں کیوں بیٹھے ہو۔" وہ وہم نہیں حقیقت تھی۔ وہ حقیقت بنی اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ اسے اپنا وہم سمجھ رہا تھا۔

"صلہ...." اب کے اس نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ جلا دی تھی۔ پر دل میں ڈر بھی تھا کہ کہیں روشنی میں حقیقت خواب بن کے غائب نہ ہو جائے۔ پر وہ واقعی وہاں تھی۔

"کیسے ہو تم.... اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کیا ہوا ہے۔" وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔ بکھرے بال اور بڑھی ہوئی شیو مسلے ہوئے ملگجے سے کپڑے وہ کہیں سے بھی حمدان نہیں لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے۔" اس نے پھر پوچھا تھا۔

"تم جانتی تو ہو سب کچھ.... پھر کیوں انجان بن رہی ہو۔" وہ اس کے انجان پنے پہ چڑ کر بولا تھا۔ وہ چند لمحوں کو بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ واقعی وہی تو ذمہ دار تھی اس کی اس حالت کی پھر اب کیوں انجان بن رہی تھی۔ پر آج اسے ہر حال میں انجان ہی رہنا تھا۔ یہی بہتر تھا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا۔"

"کیوں کر رہی ہو تم ایسا تم ایسی تو نہیں ہو صلہ.... اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے چھپائی۔ اگر ڈیڈ مجھے نہ بتاتے تو مجھے تو ابھی تک پتا بھی نہ چلتا تم ایسا کیسے کر سکتی ہو صلہ۔"

"تم پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے واقعی سمجھ نہیں آرہا ہے۔" وہ کچھ الجھ کر بے زاری سے بولی تھی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میں تمہاری اور ایزد کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں تو یہ خوشی کی بات ہے نا۔ میری نئی زندگی کی شروعات ہو رہی ہے۔ دوست ہونے کے ناتے تمہیں تو خوش ہونا چاہیے نا کہ تم نے ایسی صورت بنا رکھی ہے۔ اگر نہ بتانے سے ناراض ہو تو کوئی بات نہیں ابھی بتا دیتی ہوں کہ میری...."

"بس کرو صلہ... فار گاڈ سیک بس کرو..."

وہ قدرے بلند آواز میں بولا تھا۔ خوش دلی سے بولتی صلہ ایک دم خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں خوش کیوں نہیں ہوں۔ میں خوش اس لیے نہیں ہوں بی کاز آئی لو یو ڈیم اٹ اور میں کتنے ہی عرصے سے تم سے یہ بات کہنے کی تمہیں بتانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر تم سے کہہ نہیں پایا اور آج تم مجھے بتا رہی ہو کہ تم شادی کر رہی ہو۔ کیسے کر سکتی ہو تم ایسا..." وہ درمیان کا فاصلہ مٹا کر اس کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو حمدان ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ بمشکل بولی تھی۔ وہ حمدان سے یہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

"ایسا ہی ہے صلہ۔ تم مانو یا نہ مانو مگر میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ آج سے نہیں بلکہ ہماری پہلی ملاقات سے، میں تمہیں بتا نہیں سکتا لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ صلہ تم انکار کر دو۔ اس شادی سے انکار کر دو پلیز میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ہم ایک ساتھ بہت خوش رہیں گے پلیز صلہ... میری خاطر پلیز۔"

وہ اس کے ہاتھ تھامے التجائیہ انداز میں بول رہا تھا۔ اس کی محبت کی شدت اس کی آنکھوں سے اس کی زبان سے اس کے ہر ہر انداز سے عیاں ہو رہی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" وہ اس کی باتوں کی شدت میں کھونے ہی لگی تھی کہ اس کی آخری بات پہ جیسے کرنٹ کھا کر اس سے دور ہٹی تھی۔

"تم جو سوچ رہے ہو۔ ویسا نہیں ہو سکتا میں ایک تمہاری محبت کی خاطر خود سے وابستہ تمام لوگوں کو اذیت میں مبتلا نہیں کر سکتی۔ انہیں دکھ نہیں دے سکتی۔ سن لو حمدان رضا میں اس شادی سے انکار نہیں کروں گی۔ کیونکہ میں نے اپنے دل کی مکمل خوشی سے یہ فیصلہ کیا ہے اور میں بہت خوش بھی ہوں۔" وہ اٹل انداز میں بولی تھی ہاں آنکھوں میں ہلکی سی نمکین چمک ضرور آگئی تھی۔ مگر صلہ واقعی خود کو قربان کرنا جانتی تھی۔ اسے سچ میں اپنی ذات کی نفی کرنا آتا تھا۔

"صلہ..." وہ حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں یہی سچ ہے حمدان اور تم اس حقیقت کو مان لو۔"

"تو کیا تم نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی۔ ایک لمحے 'ایک پل کو بھی نہیں۔" محبت پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ایک لمحے 'ایک پل 'ایک سیکنڈ کو بھی نہیں، تمہیں میں نے صرف اپنا ایک اچھا دوست مانا ہے۔ تم ہی تو کہتے تھے کہ انسان کی زندگی میں ایک ایسا دوست ضرور ہونا چاہیے، جس سے وہ اپنے سارے دکھ درد کہہ سکے بنا کسی ڈر خوف کے تم تو میرے ایسے ہی دوست ہو۔ جس پہ میں اعتبار کر سکتی ہوں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں... اور اس سے زیادہ تم بھی کبھی مت سوچنا... یہی ہم دونوں کے لیے بہتر ہے۔" وہ جانے کو پلٹی تھی۔

"مگر میں بہت آگے جا چکا ہوں صلہ... بہت خواب دیکھے ہیں میں نے... بہت سی خواہشیں ہیں میری..." وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔

"تو اور آگے بڑھ جاؤ حمدان مگر پیچھے مڑ کر مت دیکھنا کیونکہ زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے والے پیچھے ہی رہ جاتے ہیں۔" وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

"تم بہت خود غرض ہو صلہ۔" وہ کمرے کے دروازے میں ہی رکا تھا۔

"میں خود غرض ہی تو نہیں بننا چاہتی۔ تم بھی مت بننا تم سے بہت سے لوگوں کی خوشیاں وابستہ ہیں تم ان کی خوشی بن جانا اور میں ان کی خوشی بن جاتی ہوں۔ جن کی خوشیاں مجھ سے وابستہ ہیں۔ کبھی نہ کبھی ہم بھی اپنی خوشی پا ہی لیں گے۔"

وہ جا رہی تھی اور وہ اسے روک نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی لیکن پھر بھی وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ جا چکی تھی اور سیڑھیوں پہ اس کے سیاہ ڈوپٹے کی جھلک ہی باقی رہ گئی تھی۔ وہ وہیں دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھا رہی تھی۔ تبھی علی اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ اس

نے خاموش کھڑے حمدان کو دیکھا اور دروازہ بند کر دیا تھا۔ گاڑی تک پہنچتے پہنچتے ہلکی ہلکی ہوتی بارش نے اسے اچھا بھگو دیا تھا اور آنکھوں سے جاری برسات نے بھی آگے کے راستے کو دھندلا دیا تھا ہوا ابھی بھی بہت تیز تھی۔ سب کچھ اڑا لے جانے والی اور شاید واقعی اس کا سب کچھ کھو چکا تھا کیونکہ زندگی میں ہم بہت کچھ کھوتے ہیں اور دکھ بھی محسوس کرتے ہیں اور متبادل چیز ملنے پہ خوش بھی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہی انسانی فطرت ہے مگر محبت کھو جائے تو اس کا کوئی متبادل نہیں اور اسے کھونے کی چبھن تمام زندگی محسوس ہوتی ہے۔

"مجھے سب یاد ہے حمدان وہ ایک ایک لمحہ وہ ایک ایک پل جو میں نے تمہارے ساتھ گزارا تم میرے لیے دوست سے بڑھ کر ہو میں جانتی ہوں یہ بات مگر ماننا نہیں چاہتی تھی۔" ہر قدم پہ ایک سوچ تھی جو سامنے آ رہی تھی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے بے دردی سے آنسو صاف کیے تھے اور آنکھوں کو مزید بہنے سے روکا تھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے گھر کے راستے پہ ڈال دی تھی۔ مگر کیا یہ اس کی منزل تھی وہ نہیں جانتی تھی قطعی انجان تھی بس وہ بڑھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

بہت سی الجھنوں اور سوچوں کو ذہن میں لیے بالآخر اس کی مایوں کا دن آن پہنچا تھا اور کل بارات تھی۔ وہ جس دن سے حمدان سے مل کے آئی تھی۔ وہ یونہی اداس تھا اس کا دل... ٹوٹ جو گیا تھا... درد تو ہو گا نا اسے... دل ٹوٹے اور اس میں درد نہ ہو تو تکلیف تو انسان کو ہی ہوتی ہے نا۔ بس یہی حال سلہ کا بھی تھا۔ درد کا سمندر دل میں چھپائے... تکلیف کا جہاں وجود میں آباد کیے اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ وہ خوش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنا موبائل اس نے اس دن کے بعد سے آف کر کے ایک طرف ڈال دیا تھا وہ کبھی بھی اب وہ مخصوص ٹیون نہیں سنے گی اس نے سوچ لیا تھا۔ اس وقت بھی بالوں کے پیلے جوڑے میں پھولوں کا زیور پہنے وہ خاصی دلکش نظر آ رہی تھی۔ باہر مہمانوں کا ہجوم تھا اور بے تحاشہ شور اور ہنگامہ وہ اس سارے ہنگامے سے دور اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی ان ہی سوچوں میں گم تھی۔ تب ہی ماما کب اس کے پاس آ کے بیٹھیں اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ اس نے پلک پہ اٹک جانے والے آنسو کو سرعت سے صاف کر لیا تھا اور مسکرا دی تھی۔

"ماشاء اللہ میری بیٹی تو بہت پیاری لگ رہی ہے۔" ماما نے آنکھ سے کاجل نکال کر اس کے کان کے پیچھے لگا دیا تھا تاکہ کسی کی نظر نہ لگے۔ ماما اس وقت خوش نظر آ رہی تھیں اور سلہ انہیں اس طرح خوش دیکھ کر مسرور تھی۔

"میری بیٹی خوش تو ہے نا۔"

جانے کتنی بار وہ اب تک یہ سوال پوچھ چکی تھیں اور اب پھر پوچھ رہی تھیں۔ مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں مطمئن نہیں ہوتی تھیں۔

"میں خوش ہوں ماما... آپ میری فکر نہ کریں۔ بس آپ اور بابا خوش رہیں میرے لیے یہی کافی ہے۔" اس نے ماما کے ہاتھوں کی پشت پہ بوسہ دے کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"ہم دونوں تو تمہیں خوش دیکھ کر خوش ہیں میری جان۔" ماما نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا اور محبت سے اس کی پیشانی کو چوما تھا۔

"پتا ہے ماما۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ میں کبھی تو کچھ ایسا کروں کہ میرے بابا مجھ سے خوش ہوں۔ مجھ پہ فخر کریں۔ بچپن سے لے کر آج تک میں نے جتنی بھی کامیابیاں حاصل کیں۔ جتنی بھی پوزیشنز لیں، میڈل جیتے ٹرافیاں حاصل کیں ان سب کے پیچھے ایک ہی سوچ ہوتی تھی کہ شاید آج بابا مجھ سے خوش ہو کر مجھے یہ کہہ دیں کہ سلہ مجھے تم پہ فخر ہے۔ مگر انہوں نے آج تک زویا کی طرح کبھی مجھ سے یہ نہیں کہا... اسے ہر چھوٹی سے چھوٹی کامیابی پہ بھی کہا کرتے تھے مگر میری بڑی سے بڑی کامیابی بھی انہیں کبھی خوش نہیں کر

سکی۔ پتا ہے ماما آپ کو مجھے ڈاکٹر بننے کا کریز تھا مگر بابا نے کہا کہ میں ایم بی اے کروں میں نے بنا کسی تردد کے ان کی بات مان لی۔ پھر میں نے سوچا کہ میں فیشن ڈیزائننگ میں کچھ کروں مگر انہوں نے کہا کہ مجھے بزنس جوائن کرنا چاہیے میں نے کرلیا یہ سب میں نے اس لیے نہیں کیا کہ میں ان کی سپورٹ بن جاؤں یا کسی ڈر اور خوف میں بلکہ صرف اس لیے کیا کہ وہ میرے لیے جو فیصلہ کریں گے وہ بہترین ہوگا مگر پھر بھی وہ مجھ سے کبھی محبت نہ کرسکے کبھی لمحہ بھر کو انہیں مجھ پہ فخر نہیں ہوا۔

وہ جب بھی میری برتھ ڈے پہ مجھے بلینک چیک دیتے ہیں۔ مجھے برا لگتا ہے۔ میں ان کی بیٹی ہوں ماما.... کوئی آفس ایمپلائی نہیں کہ جس کی کارکردگی سے خوش ہوکر ہر سال اسے ایک بلینک چیک پکڑا دیں کہ جاؤ اور عیش کرو میرا ابھی تک ہمیشہ دل کرتا ہے کہ وہ میرے لیے کیک لائیں اور کوئی چھوٹا سا تحفہ اور محبت سے مجھے دیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں ہر مہینے ان سے لڑ جھگڑ کر لاڈ سے پاکٹ منی لوں اور وہ مسکرا کر تھوڑا سا ڈانٹ کر مجھے پاکٹ منی دیں۔ مگر انہوں نے اس کی کبھی مہلت ہی نہیں دی بلکہ وہ ہر مہینے ایک فارمیلٹی پوری کرتے ہیں ایک بوجھ کی طرح اور میرے اکاؤنٹ کو پیسوں سے بھر دیتے ہیں۔ مگر میرا دل ان پیسوں کو خرچ کرنے کو چاہتا ہی نہیں۔ یہ دیکھیں ماما میں نے وہ سارے چیک ابھی تک ایسے ہی رکھے ہیں۔''

اس نے بیڈ کی سائڈ ٹیبل کی دراز سے وہ سارے چیکس نکال کر ماما کو دکھائے تھے۔ جو اس نے ایک چھوٹے سے پاؤچ میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ اس پہ بابا کے سائن تھے۔ ورنہ تو کب کے پھاڑ کر پھینک چکی ہوتی۔ ماما کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ تو اپنے ہی غم میں الجھی رہیں انہیں تو اندازہ ہی نہیں ہوا کبھی کہ صلہ کیا سوچتی ہے۔ کیا چاہتی ہے۔ آج ان کا دل پھٹ رہا تھا۔ آج وہ ایسے موقع پہ یہ سب کہہ رہی تھی جب وہ کل اس گھر سے دور جا رہی تھی۔

''ماما، جس طرح دنیا کے تمام انسان ایک جیسے ایک ہی شکل و صورت اور عادات کے مالک نہیں ہوتے نا اور جس طرح ہاتھ کی پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح بالکل اسی طرح اولاد بھی ایک جیسی نہیں ہوتی ماما! خود غرض اور ناقابل اعتبار..... پھر ماں باپ سب کو ایک جیسا کیوں سمجھتے ہیں ٹھیک ہے بچوں سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ مگر والدین کو بھی یہ بات سمجھنی چاہیے نا کہ کیا اگر ایک بچہ کوئی غلطی کرے گا تو آپ

اس کی سزا تمام بچوں کو دیں گے چاہے وہ قصوروار نہ ہوں پھر بھی۔۔۔۔

ماما پلیز آپ روئیں مت۔ میں آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی میرا مقصد کوئی غلط تھا یہ سب کہنے کا بس آج میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں یہ سب باتیں آپ سے شیئر کروں۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے ماما کے آنسو صاف کیے تھے اور ان کے قریب ہو کر ان سے لپٹ گئی تھی۔

"میری جان' میری بیٹی ہمیں معاف کردو۔ ہم سے غلطی ہو گئی ہم انجانے میں تمہیں دکھ دیتے رہے اور کبھی تمہیں سمجھ نہ سکے۔" ماما نے اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔

"نہیں ماما آپ ایسا نہ کہیں۔ بس مجھے غلط نہ سمجھیں میں آپ دونوں سے بہت محبت کرتی ہوں۔ آپ سے بھی اور بابا سے بھی بے حد' مجھے بس آپ دونوں کی محبت اور اعتبار چاہیے اور شاید کل کے بعد بابا سمجھ لیں کہ میں زویا جیسی نہیں ہوں نہ ہی کبھی ہو سکتی ہوں۔ کیونکہ میں صلہ ہوں اور زویا جیسی کبھی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ جو کچھ میں برداشت کر چکی ہوں تا زویا ہوتی تو کبھی نہ کرتی اور نہ اس نے کیا۔

میں آپ کو کیسے سمجھاؤں ماما کہ میں نے کیا کھویا ہے۔۔۔۔ یہ بات یہ دکھ میں کبھی کسی سے نہیں کہہ پاؤں گی کبھی بھی نہیں۔۔۔۔"

اس کے آنسو ماما کے سینے میں جذب ہو رہے تھے اور باہر کھڑے بابا کی آنکھوں کی نمی بھی تیزی سے ان کے چہرے پہ پھیلی تھی۔ وہ ماما کو ڈھونڈنے یہاں آئے تھے اور ان دونوں کی باتیں سن کر وہیں رک گئے تھے اور پھر انہوں نے جو کچھ سنا وہ ناقابل یقین تھا۔

"میں تم سے خوش ہوں میری بیٹی بہت خوش ہوں میں اپنی سب اولاد سے زیادہ تم پہ فخر کرتا ہوں۔ بس یہ بات کہنے اور سمجھنے میں میں نے بہت دیر کر دی میں بھی تم سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں جتنا زویا اور حماد سے کرتا تھا یا جتنا تم مجھ سے کرتی ہوں یا شاید اس سے بھی زیادہ بس میں ٹوٹ گیا تھا' ڈھے گیا تھا زویا نے جو دکھ اور ذلت مجھے دی اس نے مجھے ایسا بنا دیا تھا اور انجانے میں' میں تم سے زیادتی کرتا رہا۔ وہ بے شک اپنی پسند سے شادی کرتی بس ایک بار تو مجھ سے کہتی میں سب سے لڑ لیتا سب کو منا لیتا ایک بار اپنے باپ پہ اعتبار تو کرتی مگر اس نے جو طریقہ اپنایا جس طرح مجھے زمانے بھر میں خاندان میں رسوا کیا اور پھر اسفند کی موت نے مجھے ایک مختلف انسان میں بدل دیا تھا۔

مجھے دنیا کا ہر انسان ناقابل اعتبار لگنے لگا۔ حالانکہ میں تم پہ شروع ہی سے خود سے بھی زیادہ اعتبار کرتا ہوں' بھروسا کرتا ہوں۔ کبھی اس کا اظہار نہیں کر سکا۔ تم سے قریب نہ ہو سکا کہ کہیں ان دونوں کی طرح تمہیں بھی کھو نہ دوں اس بات سے ڈرتا تھا۔ مگر میرا قصور بھی اتنا بڑا نہیں تھا۔ زویا نے کبھی آ کر مجھ سے معافی نہیں مانگی۔ وہ اپنی ماں سے بات کرتی ہے۔ کبھی اس نے مجھ سے یعنی اپنے باپ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا تھا۔ بلکہ کرتا ہوں اور پھر حماد کی خود ساختہ ناراضی نے جیسے مجھے توڑ ہی دیا تھا۔ پھر میں نے بھی کسی کی پروا کرنا چھوڑ دی پر میں تم سب سے آج بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی پہلے کرتا تھا۔ ہاں میں نے تم سے کبھی اظہار نہیں کیا۔ پر میں مانتا ہوں کہ میں تم پہ فخر کرتا ہوں اور تم سے اب میں ان دونوں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں کیونکہ میری بیٹی تم محبت کے قابل ہو تم اعتبار اور فخر کے لائق ہو۔ یہ ساری باتیں میں تمہیں بہت جلد کہوں گا اور پھر تمہارا اپنے بابا سے ہر شکوہ دور ہو جائے گا ان شاء اللہ بس اب تو ایک ہی دعا ہے کہ تم ایزد کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو اور میرا یہ فیصلہ بھی تمہارے لیے بہترین ثابت ہو آمین۔"

وہ بہتی آنکھوں سے مسکرائے تھے۔ وہ جلد ہی صلہ سے یہ سب کہیں گے۔ اس بات کا فیصلہ کر کے وہ مطمئن سے آگے بڑھ گئے تھے۔

(باقی آئندہ)



شفق افتخار

میرے حصے کی زمیں میرا آسماں

اگلے دن رخصت ہو کے وہ ایزد کے گھر آگئی تھی۔ رخصتی کے وقت بابا کتنی ہی دیر اسے خود سے لگائے کھڑے رہے تھے اور پورے دل سے اسے خوش رہنے کی دعائیں دی تھیں۔ تایا اور تائی بھی بہت خوش تھے البتہ خاموش کھڑے ایزد کے سپاٹ چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ شادی کی تقریب ان کے گھر کے بڑے سے لان میں منعقد ہوئی تھی۔ وہ بہت سادہ سی دلہن بنی تھی۔ نہ زیادہ ہار سنگھار اور نہ ہی زیادہ تیاری پھر بھی وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اپنے کمرے کی اندھیری بالکونی میں کھڑے حمدان کا یہی خیال تھا وہ مام اور ڈیڈ کے بہت اصرار پہ بھی وہاں جا نہیں پایا تھا۔ مگر دل اسے اس روپ میں دیکھنے کا تمنائی تھا سو وہ خود کو اسے دیکھنے سے روک نہیں پایا تھا۔ کیونکہ اسے اس روپ میں دیکھنے کی بہت چاہ تھی۔ مگر صرف اپنے لیے مگر آج وہ کسی اور کی دلہن بنی تھی۔ کسی اور کے لیے سجی سنوری تھی کسی اور کے نام کی مہندی اس کے ہاتھوں میں لگی تھی۔ یہ سوچ کر ہی دل بہت اداس اور بے چین تھا اور آنکھیں نم تھیں۔

وہ اس وقت خود کو بے بسی کی انتہا پہ محسوس کر رہا تھا صلہ سے اسے بہت سے شکوے تھے۔

"صلہ.... یہ تم نے بالکل بھی ٹھیک نہیں کیا۔" بے بسی اور بے چینی غصے میں بدلی تو بالکونی میں رکھے کتنے ہی گملے اس کی ٹھوکروں کی زد میں آئے تھے۔ وہ

ایسا ہی تو تھا جذباتی اور پھر چاہت میں شدت آ ہی جاتی ہے اور محبت تو نام ہی جذبات کا ہے۔ کمرے میں لگا

ناولٹ

دوسری اور آخری قسط



آئینہ اسے اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہو رہا تھا۔ محبت میں ناکامی پہ اسے چڑا رہا تھا اس نے اسے کتنے ہی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ کتنے ہی کرچیاں اس کے ہاتھوں میں چبھی تھیں۔ مگر اس سے زیادہ تکلیف دل میں تھی وہ تو ان دنوں روز ہی ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا رہتا تھا۔

"میں نے تم سے کبھی محبت کی ہی نہیں ایک لمحہ' ایک پل' ایک سیکنڈ کو بھی نہیں۔۔۔۔ تم صرف میرے ایک دوست ہو اور بس۔" یہ صلہ نے کہا تھا مگر اس کی یہ بات بھی حمدان کو اس سے محبت کرنے سے روک نہیں پائی تھی۔ وہ سب سمجھتے ہوئے' سب جانتے ہوئے' بوجھتے ہوئے بھی بس صرف اسی سے محبت کیے جا رہا تھا۔ دروازے پہ ہوتی دستک اسے واپس کھینچ لائی تھی جہاں ملازم شیشہ ٹوٹنے کی آواز سن کر دوڑا چلا آیا تھا۔

"پتا نہیں کیا ہو گیا آج چھوٹے صاحب کو۔" وہ کمرے کو صاف کرتے ہوئے سوچ رہا تھا اور حمدان گاڑی لے کر وہاں سے دور نکل آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کے دو بج رہے تھے اور ایزد ابھی تک کمرے میں نہیں آیا تھا اس کی تھکن اب کوفت میں بدلنے لگی تھی۔ وہ بہت بے زار سی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس کی آنکھیں اس وقت بالکل خالی تھیں بنا کسی سوچ' خوشی یا کسی بھی احساس کے اس نے بس خود کو وقت کے حوالے کر دیا تھا۔ حالات چاہے جیسے بھی ہوں۔ وہ سہہ لے گی اس نے سوچ لیا تھا تبھی دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس کی سوچ کا ارتکاز ٹوٹا تھا اور وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"میں اس شادی سے بالکل بھی خوش نہیں ہوں۔ قطعی نہیں۔ بلکہ میں یہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔" ایزد بیڈ کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ صلہ کے لیے اس کی یہ بات بالکل غیر متوقع تھی۔

ٹھیک ہے وہ زیادہ کسی بھی چیز کی امید نہیں کر رہی تھی۔ لیکن وہ آتے ہی یہ سب کہے گا یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔

"بس امی اور ابا کو ہی شوق تھا۔ دشمنوں کی بیٹی لا کر بسانے کا۔"

"دشمنوں کی بیٹی۔" اب کہ صلہ کو واقعی حیران ہونا پڑا تھا۔ اور اسے ایزد کا اس طرح کہنا برا بھی بہت لگا تھا۔ مگر صورت حال کا تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے اور اس کی بات ختم ہونے کا انتظار کرے۔

"پتا ہے صلہ میرے اندر ایک بہت بری عادت ہے کہ میں اپنا قرض کسی پہ نہیں چھوڑتا بدلہ ضرور لیتا ہوں۔ ورنہ مجھے چین نہیں آتا سکون نہیں ملتا میں کیا کروں بس میری عادت ہے' یہ میرے یہاں شفٹ ہونے کا مقصد بھی شاید یہی تھا۔"

وہ بہت آرام سکون سے بیٹھا اسے بتا رہا تھا اور صلہ سوچ رہی تھی کہ اس وقت یہ بات کرنے کی بھلا کیا تک بنتی ہے۔ یہ باتیں پھر بھی بھی تو ہو سکتی ہیں۔

"تم سوچ رہی ہو گی کہ میں یہ باتیں اس وقت کیوں کر رہا ہوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے اس کے دماغ میں ابھری سوچ کو پڑھ رہا تھا اور صلہ کو اس کی آنکھوں سے خوف آ رہا تھا۔

"اس وقت تو مجھے تم سے پیار بھری باتیں کرنی چاہیے۔ تمہاری تعریف کرنی چاہیے کہ تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ وغیرہ وغیرہ لیکن تم چاہے جتنی بھی خوب صورت لگو چاہے تم آسمان سے اتری حور ہی کیوں نہ بن جاؤ۔ لیکن پھر بھی مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں شدید نفرت بلکہ تم سب سے تمہارے ماں باپ سے۔۔۔ تمہارے بھائی سے اور تمہاری اس بہن سے۔۔۔ جس نے مجھ سے میرا بھائی چھینا تمہارے پورے خاندان سے شدید نفرت کرتا ہوں۔"

وہ اب بھی اسی اطمینان اور سکون سے بیٹھا یہ سب کہہ رہا تھا۔ جیسے اسے یہ سب کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ صلہ کا وجود جیسے اتھاہ گہرائیوں میں اترتا

جا رہا تھا۔ وہ بس حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔

"یاد ہے تم نے ایک بار بیچ سڑک پہ میرے منہ پہ تھپڑ مارا تھا۔ وہ تھپڑ آج بھی مجھے یاد ہے۔ شاید تمہیں یاد نہ ہو۔ کیونکہ تمہارے پاس تو اور بہت کچھ ہو گا یاد رکھنے کو مگر مجھے یاد ہے۔ اس تھپڑ کی جلن اور دوستوں کے سامنے اٹھائی جانے والی ذلت میں آج بھی محسوس کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔"

"وہ ایزد تھا۔" صلہ کے ذہن میں یکدم ہی جھماکا ہوا تھا۔ وہ اس وقت قطعی نہیں جانتی تھی کہ وہ ایزد ہے۔ کیونکہ اتنے عرصے بعد اسے دیکھا تو وہ اسے پہچان نہیں پائی تھی۔ اور وہ تو اس وقت بھی اسے جانتا تھا پہچانتا تھا۔ "میں اس وقت..." صلہ نے تیزی سے کچھ کہنا چاہا تھا وہ اسے بتانا چاہتی تھی۔

"ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔"

ایزد نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روکا تھا۔ اس کے بولتے لب تیزی سے خاموش ہوئے تھے۔

"اب تم خود سوچو صلہ کہ جن لوگوں سے ہمیں ہمیشہ ذلت اور رسوائی ملی ہے۔ دکھ ملے ہوں' تو وہ ہمارے دشمن ہی ہوئے نا تو ایسے لوگوں سے ہم رشتہ کیسے جوڑ سکتے ہیں۔ مگر یہ بات امی بابا نہ سمجھ سکے۔ وہ آج بھی تم لوگوں کو اپنا مانتے ہیں اور بہت خوش ہیں اس شادی سے۔ مگر تم جانتی ہو نا تمہاری بہن کی وجہ سے میں نے اپنا بھائی کھو دیا وہ بھائی جو میرا سب کچھ تھا۔ جس کے ہوتے ہوئے مجھے کبھی کسی اور کی ضرورت نہیں پڑی اور زویا کے دھوکے نے اس کی جان لے لی۔ اسے مار ڈالا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اسے کتنا چاہتے ہیں۔ کتنی جان چھڑکتے ہیں وہ تم سب پہ کہ بعض اوقات میں چڑ جاتا تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ تم سب سے پیار کرتے تھے۔ حالانکہ میں ان کا اکلوتا بھائی تھا اور جب میں ان سے لڑتا تھا تو وہ مسکراتے تھے اور کہتے تھے کہ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو سمجھ جاؤ گے کہ زویا میرے لیے کیا ہے۔ پھر کیوں کیا زویا نے ان کے ساتھ ایسا؟ اپنی چار دن کی محبت پہ میرے بھائی کو قربان کر دیا۔

کسی کا کچھ نہیں بگڑا تم سب اپنی اپنی جگہوں پہ خوش ہو' کھویا تو ہم نے تم جانتی ہو میں نے اپنے ماں باپ کو پل پل تڑپتے دیکھا ہے۔ وہ روز مرتے تھے اور روز جیتے تھے اور ان کا دکھ میرے اندر تم لوگوں کی نفرت کو اور بڑھا دیتا تھا۔"

اس وقت ایزد کا وجود نفرت بنا ہوا تھا اور صلہ کو جھلسا رہا تھا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں ایزد... تمہارا دکھ بہت بڑا ہے۔ مگر سوچو تو اس میں نقصان سب کا ہوا ہے۔ سب نے اپنا اپنا حصہ کھویا ہے۔ مگر معاف کر دینا سب سے افضل ہے اور بھلا دینا نیکی ہے۔ دکھ اور ذلت اس وقت سب نے ہی اٹھائی تھی۔ مگر وقت بڑے سے بڑے زخم کو بھر دیتا ہے اور اسفند بھائی ہم سب کو بھی اتنے ہی پیارے تھے۔ شاید تب اگر وہ یہ سب نہ کرتے تو اس وقت سب کچھ بہت مختلف ہوتا محبت نے انہیں بزدل بنا دیا تھا۔ وہ اسے کھونے سے ڈرتے تھے۔ اگر وہ اس وقت تھوڑی سے بہادری دکھاتے تو آج ان کی اپنی ایک الگ اور خوشگوار زندگی ہوتی مگر یہ سب ایسا ہی ہونا تھا۔"

اس نے نرم لہجے میں ایزد کو سمجھانا چاہا تھا۔ مگر وہ اب بھی عجیب نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں اس وقت وہی کیفیت تھی۔ جو ہمیشہ صلہ کو الجھن میں ڈال دیتی تھی۔ ناگواری' نفرت اور پتا نہیں کیا کچھ... وہ اب بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

"ہوں... مگر صلہ! میں نہ معاف کرنے والوں میں سے ہوں اور نہ ہی بھولنے والوں میں سے میں وہ تھپڑ بھول سکتا ہوں۔ ہجوم میں ہوئی اپنی بے عزتی نظر انداز کر سکتا ہوں۔ مگر میں تم لوگوں کو معاف کیسے کروں' کیسے بھول جاؤں وہ سب تکلیفیں جو میرے ماں باپ نے سہی... میں نے جو دکھ اٹھایا مجھے اپنے بھائی کی اکڑی ہوئی لاش آج بھی یاد ہے اور میں اسے یاد رکھنا چاہتا ہوں۔ نہیں بھولنا چاہتا کبھی بھی... کیونکہ میں اتنا اعلا ظرف نہیں ہوں۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں آج کی رات تمہیں کوئی انوکھا تحفہ دوں۔ جو

تمہیں عمر بھر یاد رہے۔۔۔۔" وہ اپنی جیب سے کچھ نکالتے ہوئے بول رہا تھا۔

"اس سے انوکھا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جو باتیں تم مجھ سے کر رہے ہو۔ کیا ہی کوئی ذی ہوش انسان اپنی شادی کی پہلی رات اپنی بیوی سے کرتا ہوگا۔"

صلہ کو اس کی ذہنی حالت پہ تشویش ہو رہی تھی۔

"یہ تمہارا تحفہ۔۔۔۔" اس نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ کیا ہے۔۔۔۔" اس کے دل میں الجھن بڑھ گئی تھی۔

دل کی دھڑکن ایک دم ہی بہت تیز ہو گئی تھی۔ جانے اس میں ایسا کیا تھا۔

"کھول کر دیکھو۔" وہ ذرا سا مسکرا کر کرسی سے اٹھا اور کمرے کے وسط میں جا کر کھڑا ہو گیا اور لفافہ چاک ہوتے ہی جیسے قیامت آ گئی تھی۔ کم از کم صلہ کو تو یہی محسوس ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے ایزد۔۔۔ اگر یہ مذاق ہے تو بہت گھٹیا مذاق ہے۔" وہ غصے سے چلائی تھی۔

"یہ مذاق نہیں۔۔۔ تمہارا طلاق نامہ ہے۔" بالکل اصلی۔۔۔"

"ایزد۔۔۔ یہ۔۔۔" وہ بے ساختہ ہی اس کی طرف بڑھی تھی۔

"آں ہاں۔۔۔ میں ایزد عباس بقائمی ہوش و حواس صلہ احمد تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" اور ایزد نے یہی الفاظ اسی سکون سے تین بار دہرائے تھے اور وہ بنا کچھ بھی بولے بس پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اب پتا چلے گا کہ ذلت اور رسوائی کیا ہوتی ہے اور جگ ہنسائی کیا چیز ہوتی ہے۔ دکھ اور تکلیف کیا ہوتی ہے۔ دفع ہو جاؤ میری نگاہوں کے سامنے سے تمہیں دیکھنا۔ تمہیں چھونا میں اپنی توہین سمجھتا ہوں چلی جاؤ یہاں۔۔۔" ایزد نے بڑی بے دردی سے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر نکال دیا تھا اور دروازہ اندر سے لاک کر دیا تھا۔ وہ ابھی تک سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اور کیوں اس کا قصور کیا ہے۔"

"وہ تو زویا نہیں تھی۔ وہ تو سب کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ پھر یہ سب۔۔۔" اس نے ہاتھ میں تھامے کاغذ پہ ایک خاموش نگاہ ڈالی تھی۔

اس کا دماغ چکرا رہا تھا اور قدم مزید اس کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھے۔ تبھی سامنے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور تائی جان باہر آئی تھیں اور اسے اس طرح رات کے اس پہر کمرے کے باہر کھڑا دیکھ کر بری طرح چونکی تھیں۔

"صلہ بیٹے کیا ہوا ہے یہاں کیوں کھڑی ہو۔" وہ فوراً" ہی اس کے پاس آئیں تھیں اور وہ تو جیسے اشارے کی منتظر تھی ان کا ذرا سہارا پاتے ہی ڈھے گئی تھی۔ وہ بمشکل اس کو سنبھالنے لگی تھیں اور جیسے ہی اس کے ہاتھ میں تھامے کاغذ پہ نگاہ پڑی تو ان کی چیخ بے ساختہ تھی۔

☆ ☆ ☆

صلہ کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے آج دوسرا دن تھا۔ وہ ہوش میں تو آ گئی تھی مگر ایک سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ نہ وہ کچھ بولتی تھی اور نہ ہی روتی تھی اور نہ ہی کسی دکھ کا اظہار کرتی تھی۔ بس خاموشی سے لیٹی چھت کو گھورتی رہتی تھی۔ جیسے سود و زیاں کا حساب لگا رہی ہو ٹرانکیولائزر دینے سے نیند آ جاتی تھی تو سو جاتی تھی اور پھر جاگنے کے بعد پھر سے وہی کیفیت۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ شدید ذہنی ڈپریشن کا شکار تھی اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ اس رات جب وہ تیورا کر گری تھی تو گرتے ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ تائی جان کی آوازوں پہ تایا بھی کمرے سے نکل آئے تھے اور کتنے ہی مہمان وہاں تماشا دیکھنے کو موجود تھے۔ وہ دونوں بنا وقت ضائع کیے اسے ہاسپٹل لے آئے تھے۔ یہاں اسے فوراً" ہی ایڈمٹ کر لیا گیا تھا جب اس کی حالت ذرا سی سنبھلی تب انہوں نے اس کے ماں باپ کو

اطلاع دی اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے وہ دونوں فجر کے وقت اٹھ چکے تھے۔ خبر سنتے ہی دوڑے چلے آئے تھے اور یہاں آکر انہیں، جو کچھ دیکھنے اور سننے کو ملا اس نے ان دونوں کو چکرا کر رکھ دیا تھا ماما کی طبیعت بگڑ گئی تھی اور بابا تو بالکل ڈھے سے گئے تھے انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بیٹی کو سنبھالیں یا بیوی کی دیکھ بھال کریں اور تب سے اب تک وہ وہیں تھے اور ابھی تک حیران و پریشان تھے کہ یہ ہوا کیا ہے اور کیوں ہوا ہے۔ انہوں نے تو سب بہت نیک نیتی سے کیا تھا تو پھر......

"یہ سب کیا ہے بھائی صاحب؟ ایزد کی جرات کیسے ہوئی یہ سب کرنے کی' اگر یہ شادی کرنے کی اس کی مرضی نہیں تھی تو کیوں اس نے میری بیٹی کی زندگی برباد کردی۔ کیا بگاڑا تھا میری بیٹی نے اس کا؟؟"

اگلے دن جب تایا اور تائی صلہ کو دیکھنے آئے تو وہ ان کے سامنے پھٹ پڑے تھے۔ ماما اندر صلہ کے پاس تھیں اور ان کی اپنی طبیعت اب قدرے بہتر تھی۔

"میں بہت شرمندہ ہوں تم سے احمد۔ میں خود نہیں جانتا کہ سب کیا ہے۔ ہم سب تو بہت خوش تھے۔ ہم تو صلہ کو بہت چاہت اور پورے خلوص سے بہو بنا کرلے گئے تھے۔ مگر خدا جانتا ہے کہ میں لاعلم ہوں کہ ایزد کے دل میں کیا چل رہا تھا۔ وہ گھر سے بھی کہیں چلا گیا ہے اور اس کا فون بھی مسلسل بند ہے ورنہ میں اسے تمہارے سامنے لا کر کھڑا کر دیتا اور تمہارے سامنے اس کا گریبان پکڑتا مگر میں کیا کروں۔ اسے کہاں ڈھونڈوں' میں بہت شرمندہ ہوں۔" تایا نے شرمندگی سے سر جھکا رکھا تھا۔ وہ چھوٹے بھائی سے نگاہیں ملانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ بس ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ گئی تھی۔ اور تائی صرف آنسو بہا رہی تھیں حقیقتاً" وہ دونوں بالکل انجان تھے کہ ایزد کیا سوچ رہا ہے۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا کیا آپ کے شرمندہ ہونے سے سب بدل جائے گا۔ میری معصوم بیٹی کے ماتھے پہ لگا طلاق کا داغ مٹ جائے گا۔ یہ لوگ یہ معاشرہ الزام نہیں دیں گے کہ آخر ایسا کیا تھا کہ اسے شادی کی پہلی رات طلاق ہوگئی۔ میں کس کس کو جواب دوں گا۔ سب سے بڑھ کر صلہ کو کیا منہ دکھاؤں گا کیسے سامنا کروں گا اس کا بتائیں آپ' آپ نے جب میرے سامنے دامن پھیلایا تو میں نے بنا سوچے سمجھے آپ کو ہاں کردی کہ اس طرح ٹوٹے رشتے پھر سے جڑ جائیں گے۔ دلوں میں چھائی کدورت مٹ جائے گی اور ہم بھائی پھر سے ایک ہو جائیں گے۔ مگر ایزد وہ اتنا پست اور گھٹیا نکلے گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے صرف آپ لوگوں کی خاطر اپنی اولاد کو برسوں سے دور کر رکھا ہے۔ میں نے انہیں برسوں سے دیکھا تک نہیں کہ بلاشبہ جو ہوا اس میں قصور ہمارا تھا۔ مگر آج ایزد نے پلک جھپکتے میں بدلہ چکا دیا۔"

وہ خود ہی بولتے بولتے جیسے بات کی گہرائی میں پہنچے تھے۔ "تو کیا... ایزد نے کہیں صرف غصے اور ضد میں آکر ہمیں تکلیف دینے کے لیے تو صلہ کے ساتھ سب نہیں کیا... اف میرے خدا..." وہ لڑکھڑا کر قریب رکھے بینچ پہ بیٹھ گئے تھے۔ اگر دو منٹ مزید کھڑے رہتے تو یقیناً" گر جاتے۔

"احمد تم ٹھیک ہو۔" وہ دونوں لپک کر ان کے پاس آئے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ لوگ جائیں یہاں سے۔" وہ ہاتھ کے اشارے سے انہیں خود سے دور ہٹا رہے تھے۔ وہ دونوں تشویش سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ پل کے پل میں انہیں یاد آرہا تھا کہ ایزد بچپن میں بھی باقی بچوں سے قدرے مختلف تھا۔ کسی حد تک ضدی اور جھگڑالو' بدتمیز اور عموماً" سب لوگ اسے چھوٹا اور لاڈلا سمجھ کر اس کی غلطیاں نظرانداز کردیتے تھے۔ مگر اب وہ بچہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ غلطی نظرانداز کیے جانے کے قابل تھی۔

"میں نے بہت غلط کردیا۔ بہت غلط... جلد بازی میں' میں نے صلہ کی زندگی برباد کردی۔" وہ ہانپ رہے تھے۔ ان کا وجود پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ وہ سر تھامے بیٹھے تھے تایا اور تائی مایوس ہو کر واپس چلے گئے تھے۔ رک رک کر کرتے بھی کیا کس منہ سے سامنا کرتے صلہ

کا۔

"سر... آپ ٹھیک ہیں۔" پاس سے گزرتی نرس نے ان سے ہمدردی اور تشویش سے پوچھا تھا۔ وہ بنا جواب دیے اسی طرح بیٹھے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

صلہ ہسپتال سے گھر آگئی تھی۔ جسمانی طور پہ وہ ٹھیک تھی مگر ذہنی کیفیت ابھی بھی اس کی ٹھیک نہیں تھی۔ وہ ویسی ہی تھی بالکل خاموش اور چپ... اس رات کے بعد سے اس نے ایک لفظ نہیں بولا تھا اور نہ ہی کوئی آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا تھا۔ حماد بھائی اس کی بیماری کا سن کر سب کچھ بھلا کر آگئے تھے۔ زویا بھی بار بار اس کی خیریت دریافت کرتی رہتی تھی۔ ماں باپ جیسے اس کا سایہ بن گئے تھے۔ سب ہی اس کی دل جوئی میں لگے رہتے تھے۔ وہ ابھی بس اس لمحے کو اپنی آنکھوں سے نکال نہیں پا رہی تھی۔ روز کوئی نہ کوئی اس کی خیریت دریافت کرنے آجاتا تھا۔ در حقیقت خیریت دریافت کرنا تو صرف ایک بہانہ تھا۔ اصل میں تو ان کے زخموں پہ نمک چھڑکنا تھا کریدنا تھا دکھی اور بے بس لوگوں کو مزید تکلیف دینا تھا۔ پر سب لوگ ہی کوشش کرتے تھے کہ اس سے کوئی نہ ملے۔

وہ پہلے ہی صدمے میں ہے۔ ان کی باتوں سے اور پریشان ہوگی' کل شام مرتضیٰ انکل اور آنٹی بھی آئے تھے۔ اس سے ملنے' بس وہ ذرا سی دیر کو آئے تھے ان سب سے ملنے' نہ ہی وہ دونوں زیادہ دیر بیٹھے اور نہ ہی کوئی ایسی بات کی جس سے ان لوگوں کو تکلیف پہنچے آنٹی ذرا سی دیر کو صلہ کے پاس بھی آکر بیٹھیں پیار سے اس کی خیریت پوچھی اور اسے جلد صحت یاب ہونے کی دعا دی۔ آج کل ان کا بڑا بیٹا حنین اپنی فیملی کے ساتھ آیا ہوا تھا تو وہ ادھر ادھر کی باتوں کے ساتھ ساتھ اس کے بچوں کی بھی باتیں کرتی رہیں۔ جسے سن کر ماما کا ذہن بھی ذرا سا بٹ گیا تھا۔ صلہ تو بس خاموشی سے ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔ بنا کچھ بھی بولے۔ پھر وہ جلد ہی اسے آرام کرنے کا کہہ کر چلی گئی تھیں۔ ماما بھی ان کے ساتھ ہی باہر نکل گئی تھیں اور پیچھے وہ رہ گئی تھی۔ تنہا' خالی ذہن اور خالی دل لیے... بالکل اکیلی...

☼ ☼ ☼

"صلہ دیکھو تو بیٹا... تم سے ملنے کون آیا ہے۔"

ماما کی آواز پہ اس نے آنکھوں پہ رکھا بازو بے زاری سے ہٹایا تھا اور اندر آنے والے شخص کو دیکھ کر وہ بے ساختہ ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اتنے دنوں سے وہ جیسے اسے بھولے ہوئے تھی آج اسے دیکھا تو جیسے نئے سرے سے سب کچھ یاد آگیا تھا۔ وہ وہیں کھڑا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چند دنوں میں وہ کیا سے کیا ہو گئی تھی۔ میں نے یہ تو نہیں چاہا تھا۔ میں نے تو چپ چاپ اپنی چاہت کو دل کی تہہ میں کہیں بہت گہرائی میں چھپا لیا تھا اور اپنے حصے کی خوشیاں خاموشی سے کسی اور کے حوالے کردیں تھیں۔ تو پھر صلہ کے ساتھ ایسا کیوں ہوا کہ ایک رات نے ہی اس کی ساری دلکشی و رعنائی چھین لی۔ حمدان کو اسے اس طرح دیکھ کر بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ جس طرح مایوسی سے مرجھائی ہوئی سی بیٹھی تھی وہ ایسی تو نہیں تھی بھلے وہ زیادہ شوخ و چنچل نہ سہی مگر اس کے ایک ایک انداز سے زندگی محسوس ہوتی تھی۔

"بیٹھو نا بیٹا... کھڑے کیوں ہو؟" ماما اسے گم صم انداز کو حیرانگی سے دیکھ رہی تھیں۔ کچھ تو تھا ایسا جو انہیں چونکا رہا تھا۔ وہ تھوڑا بہت جانتی تھیں کہ ان دونوں کی آپس میں تھوڑی بہت دوستی ہے یا شاید جان پہچان مگر حمدان کے انداز میں آج کچھ ایسا تھا جو انہیں چونکا رہا تھا اور صلہ کا اس سے نگاہیں چرانا... وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

"تم لوگ باتیں کرو بیٹا... میں ابھی آتی ہوں۔" وہ ان دونوں کی خاموشی سے گھبرا کر باہر چلی آئی تھیں۔ مگر کمرے سے باہر آکر ان کے قدم آگے بڑھنے سے انکاری تھے۔ وہ اس چپ کا اسرار جاننے کو وہیں کھڑی ہو گئی تھیں۔ وہ کتنے ہی پل وہیں کھڑا اسے گم صم اس

طرح بیٹھا دیکھتا رہا تھا۔ پھر دھیرے سے آگے بڑھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے ساتھ رکھا اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"صلہ....." اس نے دھیرے سے پکارا تھا۔

وہ پچھلے کتنے ہی دنوں سے علی کی طرف تھا اور دنیا سے اس کا رابطہ جیسے کٹ چکا تھا۔ ماما' ڈیڈ اور پھر حنین کی مسلسل آتیں کالز نے اسے گھر آنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ کل شام جب گھر آیا تو مام اور ڈیڈ کہیں سے واپس آئے تھے وہ صلہ سے مل کے آئے تھے اور تب اسے صلہ کے ساتھ پیش آنے والے حادثے کے بارے میں پتا چلا کل کی تمام رات وہ یہی سوچتا رہا کہ آیا کہ اسے صلہ کے پاس جانا چاہیے یا نہیں..... مگر پھر وہ خود کو یہاں آنے سے روک نہیں پایا تھا اور اب اس کے سامنے بیٹھا تو جیسے سارے الفاظ کہیں کھو سے گئے تھے۔

"کیسی ہو....." اب کچھ تو کہنا ہی تھا نا۔

صلہ نے ذرا سی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور ان نگاہوں میں کیا کچھ تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ اتنا سب ہو جانے کے بعد میں کیسی ہو سکتی ہوں۔ وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اسے دیکھا تو صلہ کو محسوس ہوا تھا کہ جیسے اس میں اب بھی کچھ زندگی باقی ہے۔ اب بھی اسے دکھ اور تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور اسے دیکھا تو کتنے ہی دنوں سے آنکھوں کی گہرائیوں میں کہیں نیچے چھپے آنسو تیزی سے سطح پہ ابھر آئے تھے اور وہ رو پڑی تھی۔ اتنے دنوں میں آج پہلی بار وہ روئی تھی پھوٹ پھوٹ کر ذلت' رسوائی' دکھ' تکلیف کون سے کون سے احساس تھے جو اسے رلا رہے تھے۔ اور وہ بس روئے جا رہی تھی۔

"صلہ..... پلیز مت رو..... پلیز ایسے تو مت رو۔"

وہ جیسے اس کے آنسوؤں میں بہا جا رہا تھا۔ وہ اس کے آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ تو بس مدھم مسکراہٹ میں ہی اچھی لگتی تھی۔

"حمدان..... میں بہت تکلیف میں ہوں..... ایک اذیت کا احساس ہے جو میرے پورے وجود میں پھیل گیا ہے۔ مجھے رونے دو حمدان کیونکہ اب یہ آنسو ہی میرا مقدر ہیں۔ میں..... میں....." وہ بول نہیں پا رہی تھی۔ وہ بس روئے جا رہی تھی اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"صلہ..... پلیز ایسے مت رو۔ خود کو تکلیف مت دو۔ پہلے ہی تمہاری طبیعت مشکل سے سنبھلی ہے۔ پلیز صلہ....."

"میں نے تو کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا..... کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی یہاں تک کہ کبھی کسی کا برا تک نہیں سوچا' پھر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟ میں ہی کیوں حمدان..... میں جو سب کو خوش کرنے چلی تھی اپنا آپ قربان کر دیا میں نے..... اپنی ہر خوشی کچل دی میں نے..... پھر میرے حصے میں یہ آزمائش کیوں آئی؟ میں جو کل تک سر اٹھا کر چلتی تھی آج لوگوں کے سوال اور چبھتی نگاہیں میرے دل کو چیر دیتی ہیں۔ میں بہت سوچتی ہوں' دن رات سوچتی ہوں' مگر مجھے اپنا کوئی قصور نظر ہی نہیں آتا' میں کیا کروں حمدان..... میں....." آنسوؤں نے پھر راستہ روکا تھا۔ وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے اس سے پوچھ رہی تھی اور وہ لفظ ڈھونڈ رہا تھا کہ جن سے اسے تسلی دے سکے اور باہر کھڑی ماما کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور قدموں کو جیسے زمین نے جکڑ لیا تھا۔ ایسا کیا تھا حمدان میں کہ دکھ سننے والا وہ پہلا شخص بن گیا تھا۔ اتنے دنوں کے رکے آنسو اس کے سامنے بہہ رہے تھے۔

"پتا ہے کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ میں نے تمہیں دکھ دیا' تمہیں تکلیف دی' تمہارا دل توڑا' مجھے کہیں اس کی سزا تو نہیں ملی بتاؤ نا حمدان..... مگر میں نے تو یہ سب ٹوٹے رشتے جوڑنے کو کیا تھا' میں تو سب کو خوش دیکھنا چاہتی تھی' کہیں' کہیں تم نے تو....." وہ چند لمحوں کو رک کر اسے دیکھ رہی تھی اور حمدان منتظر تھا اسے سننے کا۔

"کہیں تم نے مجھے بددعا تو نہیں دی تھی کہ میں....." اس کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی۔ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ حمدان تڑپ اٹھا تھا۔

"خدا کے لیے صلہ۔۔۔ ایسا کبھی سوچنا بھی مت ہمیں تو چپ چاپ تمہارے راستے سے ہٹ گیا تھا۔ صرف یہ سوچ کر کہ تم اپنے ماں باپ کو خوش کرنے جارہی ہو تو یقیناً" خوشیاں تمہارا بھی مقدر بنیں گی' مگر یا خدا میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔ میرے دل میں آج بھی تمہارے لیے اتنی ہی عزت اور احترام ہے جتنا اس دن تھا جب ہم پہلی بار ملے تھے۔ محبت تو کہیں بعد میں آتی ہے تم ایسا مت سوچو پلیز۔ اگر یہ آزمائش ہے تو یقیناً" اس میں بھی تمہارے لیے کوئی اچھائی ہوگی۔"

حمدان نے اپنے ہاتھوں پہ گرا ایک نمکین قطرہ محفوظ کرلیا تھا۔ وہ اب سر جھکائے بیٹھی تھی' لیکن آنسو اب بھی اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ ہاں یہ تھا کہ اس کے دل کا بوجھ تھوڑا کم ہوا تھا۔ اب وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھا رہا تھا اور وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی اور باہر کھڑی ماما کو دھیرے دھیرے سمجھ آہی گیا تھا کہ آخر اس چپ کا راز کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

جب سے انہوں نے حمدان اور صلہ کی باتیں سنی تھیں۔ وہ بہت اداس اور بے چین تھیں۔ رہ رہ کر ان کے دل میں ہول اٹھ رہے تھے۔ انہوں نے جلد بازی میں صلہ کی زندگی خراب کردی تھی۔ وہ اس وقت بھی انہی سوچوں میں گم بیٹھی تھیں جب احمد صاحب کمرے میں داخل ہوئے تھے اور انہیں اس طرح بیٹھا دیکھ کر پریشانی سے ان کی طرف آئے تھے۔

"کیا بات ہے صالحہ۔۔۔ ایسے کیوں بیٹھی ہیں' طبیعت تو ٹھیک ہے۔۔۔" وہ فکرمندی سے پوچھ رہے تھے۔ وہ آج کل بالکل پہلے کی طرح سے ہی ان کا خیال رکھ رہے تھے اور صلہ کا تو جیسے سایہ ہی بن گئے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بس صلہ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" وہ ابھی کچھ دیر تک صلہ کے پاس ہی تھیں۔ وہ اب اکثر راتوں کو صلہ کے ساتھ ہی سونے لگی تھیں' مگر آج جب صلہ سکون آور دوا کے زیر اثر سوگئی تو وہ اس کے سونے کا اطمینان کرکے اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں۔

"کیوں کیا ہوا اس کی طبیعت ٹھیک ہے نا۔" وہ ازحد پریشانی سے پوچھ رہے تھے۔

"ہاں طبیعت تو اب پہلے سے کافی بہتر ہے' مگر وہ ابھی تک اس شاک سے نکل نہیں پائی ہے اور پتا نہیں کب تک وہ خود کو سنبھال پائے گی۔" ان کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگی تھیں اور وہ ہمیشہ کی طرح خود کو قصوار سمجھتے ہوئے بس خاموش ہی رہے تھے۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ ہم نے صلہ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کردی ہے۔ صرف اس بار نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہی۔۔۔ ہم اپنے ہی دکھوں اور تکلیفوں میں مگن رہے اور اس کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔۔۔ ہم نے اپنے سارے بوجھ اس پہ ڈال دیے اور کبھی سوچا ہی نہیں۔۔۔ کہ وہ کیا چاہتی ہے یا وہ کیا محسوس کرتی ہے۔ زویا اور حماد کی غلطیوں کا بھگتان بھی اس معصوم نے بھگتا ہے اور اتنی خاموشی سے کہ ہمیں کبھی پتا ہی نہیں لگنے دیا کہ انجانے میں اس کے ساتھ زیادتی ہورہی ہے اور اس بار تو۔۔۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی تھیں۔ آنسوؤں سے ان کی آنکھیں پوری طرح بھیگ چکی تھیں۔ بابا خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اور اس بار تو ہم نے جلد بازی کی حد کردی۔ بنا سوچے سمجھے اس کی زندگی کو بھینٹ چڑھادیا' میں نے کتنا منع کیا تھا آپ کو کہ اتنی جلد بازی نہ کریں' مگر آپ نے وہی کیا جو آپ نے چاہا۔۔۔ ہمیشہ کی طرح۔۔۔ میں نے کتنا کہا آپ سے کہ مجھے ایزد کی آنکھوں میں۔۔۔ وہ خلوص' وہ سچائی۔۔۔ وہ اپناپن نظر نہیں آتا' مگر آپ نے میری ایک نہیں سنی اور بس اسے اسفند جیسا ہی سمجھتے رہے ضروری تو نہیں تھا نہ کہ ایزد بھی اسفند جیسا ہی ہو' مگر آپ نے اپنی انا اور خودداری کا علم بلند رکھنے کو ٹوٹے رشتے جوڑنے کو بس اپنی بیٹی کے ماتھے کو داغ دار کردیا۔۔۔ مجھے تو اس کے مستقبل کا سوچ سوچ کر ہی ہول اٹھتے ہیں' میں اس کا چہرہ دیکھتی ہوں تو مجھے اپنا

آپ قصور وار لگتا ہے۔ مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی ہے احمد۔۔۔ یہ ہم سے کیا ہو گیا ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں تھیں۔

وہ کس قدر نڈھال لگ رہے تھے اور آج صالحہ نے پہلی بار ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔ وہ ان سے ابھی اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں، مگر ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے مزید ایک لفظ بھی نہیں کہہ پائی تھیں اور ان کے سونے کے بعد وہ چپ چاپ کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر خاموشی سے لاؤنج میں بیٹھے رہے تھے۔ ان گنت سوچیں تھیں، جو ان کے اندر طوفان مچا رہیں تھیں۔ وہ گھبرا کر اٹھے تھے، مگر اپنے کمرے میں جانے کی بجائے صلہ کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ وہ سینے تک کمبل اوڑھے سو رہی تھی۔ نائٹ بلب کی مدھم سی روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دھیمے دھیمے قدم اٹھاتے اس کے پاس چلے آئے تھے۔ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا تھا اور پھر جانے کو پلٹے تھے، مگر پھر کچھ سوچ کر ہولے سے اس کے قریب بیٹھ گئے تھے اور کتنے ہی لمحے خاموشی سے اسے دیکھتے رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دینا میری بیٹی۔۔۔" ہولے سے ان کے لب ہلے تھے۔

"مگر میرا خدا گواہ ہے، میں نے اپنی طرف سے تمہارے لیے ایک بہترین فیصلہ کیا تھا، مگر قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا اور وہ فیصلہ چند ہی گھنٹوں میں تمہاری زندگی بدل گیا اور میں بھی بے بسی سے دیکھتا ہی رہا، مگر میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ تمہارے ساتھ کبھی بھی کچھ بھی ایسا ہو۔ کیونکہ ایک باپ بھلا کبھی اپنی بیٹی کا برا کیسے سوچ سکتا ہے اور بیٹی بھی اگر تمہارے جیسی ہو تو۔۔۔ نیک اور معصوم، پریوں سی، محبت کرنے والی۔۔۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں وقت کو پیچھے لے جاؤں اور پھر سے سب پہلے جیسا ہو جائے اور میں تمہاری تمام خواہشوں کو پورا کروں اور تمہیں بتاؤں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اتنی نہیں جتنی تم مجھ سے کرتی ہو۔ اتنی بھی نہیں جتنی میں زوبیا اور حماد سے کرتا تھا بلکہ ان سب سے کہیں زیادہ۔۔۔ اتنی زیادہ کہ اس کی شدت کا اندازہ مجھے خود اب ہوا ہے۔ جب تم دور جاتے جاتے پھر سے لوٹی ہو میرے پاس۔۔۔ مگر سچ پوچھو تو بیٹا قصور میرا بھی اتنا نہیں تھا ان سب میں، بس کچھ وقت اور حالات مل کر ایسے ہو گئے اور سب کچھ خود بخود ہو تا گیا اور زوبیا جس پہ مجھے بہت مان تھا اس نے مجھے بہت تکلیف دی وہ ایک بار پلٹ کر مجھ سے ملنے نہیں آئی اور نہ ہی مجھ سے معافی مانگی اور پھر حماد کی خود ساختہ ناراضی۔۔۔ بہرحال، مگر میں جانتا ہوں کہ تمہارے لیے سب بھولنا بہت مشکل ہو گا میری بیٹی، مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ سب کچھ تم ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ اور پھر سے پہلی والی صلہ بننے کی کوشش کرو، میں وعدہ کرتا ہوں، جیسا تم کہو گی ویسا ہی کروں گا۔ تمہاری ساری حسرتیں پوری کروں گا۔ ایک بار ٹھیک ہو جاؤ اور مجھے کہو کہ میں آپ سے ناراض نہیں ہوں، میں پرسکون ہو جاؤں گا۔۔۔ بس صرف ایک بار۔۔۔" جانے کب بولتے بولتے ان کی آنکھ سے ایک آنسو گر کر صلہ کے ہاتھ کی پشت پر گرا تھا۔ اس کے ہاتھ نے غیر محسوس سی حرکت کی تھی، مگر وہ محسوس نہ کر سکے کتنے ہی لمحے وہ وہاں بیٹھے محبت سے اسے دیکھتے رہے تھے اور جس وقت وہ جانے کو پلٹے تھے۔ صلہ کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر کنپٹی سے گزر کر اس کے بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔ وہ اسی پل جاگ گئی تھی، جس وقت ایک برسوں پرانے لمس نے اس کی پیشانی کو حرارت بخشی تھی اس میں زندگی دوڑ گئی تھی۔ اس نے سب سنا اور محسوس کیا تھا۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے، مگر بعض دفعہ وہ ٹھوکر اتنی شدید ہوتی ہے کہ انسان اس میں بہت کچھ کھو دیتا ہے مگر سنبھل جاتا ہے۔

"میں جانتی ہوں بابا کہ آپ کبھی میرا برا نہیں چاہیں گے۔ یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔ اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو بھی یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔ اس میں کسی کا قصور نہیں ہے اور میں آپ سے شکوہ تو کر سکتی ہوں،

مگر ناراض نہیں ہو سکتی ہوں کبھی بھی' تو پھر معافی کا سوال کیسا... بس آج میری ایک پرانی خواہش پوری ہوئی آپ کے منہ سے یہ سب سن کر جو میں ہمیشہ سے سننا چاہتی تھی' میں نے دل کو چھوڑ کر دماغ کی بات مانی اور بہت کچھ کھو کر بھی بہت کچھ پالیا ہے۔ جو پانا چاہتی تھی آپ کی محبت' آپ کا کا فخر اور اعتبار...."

☆ ☆ ☆

اس واقعے کو گزرے تقریباً" چار ماہ سے زیادہ ہوچکے تھے آہستہ آہستہ سب ہی اپنی اپنی زندگیوں میں لوٹ رہے تھے۔ مصروف ہو رہے تھے حماد بھائی اپنی فیملی سمیت پاکستان شفٹ ہو چکے تھے۔ بابا نے زویا کو بھی آنے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن فی الحال اس کے آنے کا پروگرام نہیں بن پارہا تھا۔ ورنہ وہ سب سے ملنے کو بے چین و بے تاب تھی۔ حماد بھائی پاکستان آگئے تھے اور بابا کے ساتھ ان کا آفس سنبھال لیا تھا اور ان کی بیوی عائشہ نے ماما کے ساتھ مل کر گھر۔ ان کے بیٹے عالیان کے آنے سے گھر میں خوب رونق ہوگئی تھی۔ وہ سارا دن شرارتیں اور مستیاں کرتا پھرتا تھا اور سب کا دل بہلا رہتا تھا۔

مرتضیٰ انکل کی فیملی سے بھی پھر سے روابط بحال ہو گئے تھے۔ انکل اور آنٹی اکثر ہی چلے آتے تھے جنید بھی آج کل اپنی فیملی کے ساتھ یہیں تھا اور اس کے بچوں اور عالیان کی آپس میں خوب دوستی ہو گئی تھی۔ سب کچھ آہستہ آہستہ ویسا ہی ہو رہا تھا جیسا پہلے تھا۔ بس ایک صلہ تھی۔ جسے ہر گزرتے لمحے میں لگتا تھا کہ جیسے اس کے اندر زندگی ختم ہو رہی ہے۔ اس کے اندر اداسی نے ڈیرا ڈال لیا تھا اور اس کی خاموشیاں بڑھنے لگی تھیں۔ وہ صلہ جو آس پاس سوسائٹی میں بے حد اسٹائلش لڑکی سمجھی جاتی تھی۔ وہ اس قدر الجھی بکھری رہنے لگی تھی کہ کوئی اسے پہچان ہی نہیں پاتا تھا۔ اس نے سب سے ملنا جلنا' بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔

سب ہی اس کا بے حد خیال رکھتے تھے اور سب سے بڑھ کر حمدان تھا جو آج بھی اس کا اسی طرح خیال رکھتا تھا۔ اسی طرح بات کرتا تھا جیسے پہلے کیا کرتا تھا۔ اس بیچ جو کچھ ہوا۔ وہ اسے بھلا چکا تھا اور اسے یوں لگتا تھا جیسے اس نے صلہ کو پھر سے کھو کر پایا ہے۔ ہاں یہ الگ بات کہ صلہ نے جیسے اس سے بات نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ اس کا فون اٹینڈ نہیں کرتی تھی اور نہ ہی اس کے کسی میسج کا جواب دیتی تھی۔ اور اگر ایک دو بار وہ اس سے ملنے بھی آیا تو صلہ نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا اور یہی سب تھا کہ آج وہ اپنے تمام کام چھوڑ چھاڑ کر اس سے ملنے چلا آیا تھا اور اتفاق ہی تھا کہ وہ اسے باہر لاؤنج میں ہی مل گئی تھی۔ جہاں بظاہر تو وہ عالیان کے ساتھ بیٹھی اس کے فیورٹ کارٹون دیکھ رہی تھی لیکن پہلی نگاہ میں ہی حمدان نے جان لیا تھا کہ اس کا دھیان کہیں اور ہے اور وہ ملگجے سے کپڑوں میں بے ترتیب بالوں کے ساتھ وہ کہیں سے بھی وہ صلہ نہیں لگ رہی تھی جسے کبھی حمدان جانتا تھا۔ حمدان کو بے اختیار وہ شام یاد آگئی تھی جب وہ پہلی بار اس کے بلانے پہ اس کے شو میں آئی تھی۔ اسی شام وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ ہال میں کتنی ہی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس صلہ میں اور آج کی صلہ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

حمدان کا یوں بار بار اس سے بات کرنا اور یوں بار بار اس سے ملنے آنا اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس سے ہمدردی کر رہا ہے یا اس پر ترس کھا رہا ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ اس کی دوست ہے اور حمدان کا دعوا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے اور محض ان باتوں کو نبھانے کی خاطر وہ اس سے ہمدردی جتا رہا ہے۔ حالانکہ وہ بہت مصروف انسان ہے اور اس کو اور بھی بہت سے کام ہیں۔ مگر یہ صرف صلہ کی خام خیالی تھی۔ حمدان کے خیالات اس سے قطعی برعکس تھے۔ وہ صلہ کے لیے آج بھی وہی محسوس کرتا تھا۔ جو پہلے دن سے کرتا آرہا ہے۔ مگر وہ یہ سب صلہ کو سمجھا نہیں پارہا تھا۔

"آہا.... حمدان چاچو....." عالیان فوراً" ہی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ عالیان کے پکارنے پر ہی اپنی سوچوں میں گم بیٹھی صلہ نے اسے دیکھا تھا۔ جو نجانے

کب سے وہاں کھڑا تھا۔

"کیسی ہو صلہ.....؟" اس نے عالیان کو پیار کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔ وہی جان لیوا مسکراہٹ جو ہمیشہ صلہ کو جکڑ لینا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" مدھم سا مختصر جواب تھا۔

"کہاں جا رہی ہو، بیٹھو نا....."

اسے عالیان کے ساتھ مصروف دیکھ کر وہ اٹھ کر جانے لگی تھی۔ لیکن حمدان اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ سو فوراً" ہی روک لیا۔ وہ دوبارہ سے اپنی جگہ بیٹھ گئی تھی۔

"تم کیوں آئے ہو یہاں؟" وہ مسکراہٹ کے سحر سے نکل آئی تھی۔ عالیان اندر کی طرف گیا تو صلہ نے ایک دم ہی اس سے کہا تھا۔ وہ یونہی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ قطعی توقع نہیں کر رہا تھا کہ صلہ اس سے یہ سب کہے گی۔

"کیا مطلب..... میں تم سے ملنے نہیں آسکتا۔" اس نے کچھ الجھ کر پوچھا تھا۔

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کیوں آئے ہو مجھ سے ملنے۔" اس کے انداز میں خفگی تھی یا ناراضی حمدان سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"کیوں میں تم سے ملنے نہیں آسکتا..... ہم دوست ہیں صلہ..... میں تو بس ایسے ہی تم سے ملنے چلا آیا تھا۔ کیونکہ تم نہ کال ریسیو کر رہی تھیں اور نہ ہی کسی میسج کا جواب دے رہی تھیں۔ تو مجھے تمہاری فکر ہو رہی تھی۔ میں....."

"ہم دوست تھے حمدان..... اب نہیں ہیں۔" حمدان کی وضاحت کو اس نے بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری بھی نہیں..... تم یہاں مت آیا کرو..... کیونکہ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی..... تم سے بھی نہیں....." وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اور اگر میں نہ جاؤں تو..... تمہارے پاس رہنا چاہوں تو....." وہ چند قدم بڑھا کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ جیسے اسے منا لے گا۔ کیونکہ اب وہ کسی قیمت پہ اسے دوبارہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"تو میں چلی جاتی ہوں اور تم مجھے روک نہیں سکتے۔" وہ اس کے پاس سے گزر کر اندر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور اندر جا کے دروازہ لاک کر لیا تھا۔ اور حمدان کتنے ہی لمحے وہیں کھڑا رہا تھا۔ اس کا وجود جیسے برف بن گیا تھا۔ اس کی رگ رگ میں افسوس پھیل رہا تھا کہ صلہ اس کے خلوص اس کی محبت کو سمجھ نہیں پائی تھی۔

اور اس رات تمام وقت حمدان نے یہ سوچتے ہوئے گزارا تھا کہ اسے صلہ کو اس فیز سے کیسے نکالنا ہے اور کیسے اس بات کا یقین دلانا ہے کہ وہ اس پر ترس نہیں کھا رہا بلکہ وہ آج بھی سچ میں اس سے محبت کرتا ہے اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

☼ ☼ ☼

"حمدان کھانا کھاؤ بیٹا..... کب سے خالی پلیٹ لیے بیٹھے ہو۔" ماما پچھلے پندرہ منٹ سے نوٹ کر رہی تھیں کہ وہ جانے کس سوچ میں گم ہے اور بس خالی پلیٹ سامنے رکھے بیٹھا ہے۔ ان کے پکارنے پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تھا مگر کھانے کی طرف ہاتھ ابھی بھی نہیں بڑھایا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو بیٹا۔" اب کے ڈیڈ نے بھی اس کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔ اس وقت ڈنر پہ وہ تینوں ہی تھے۔ حنین اپنی فیملی کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا۔

"ڈیڈ دراصل میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ احمد انکل سے بات کریں۔" وہ بمشکل ہمت جتا پایا تھا بولنے کی ورنہ اسے ایک عجیب سی جھجک ہو رہی تھی۔

"کیسی بات؟" مام واقعی سمجھ نہیں پائی تھیں۔

"مام..... میں صلہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا....." ماما کا ری ایکشن وہی تھا۔ جو اس نے سوچ رکھا تھا ڈیڈ البتہ بالکل خاموش تھے اور بس اسے دیکھ رہے تھے۔

"تم جانتے ہو حمدان تم کیا کہہ رہے ہو۔"
"جی مام.... میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور اب یہ ہی چاہتا ہوں کہ آپ لوگ احمد انکل اور آنٹی سے بات کریں۔ مام میں...."
"ایسا نہیں ہو سکتا ہے حمدان...." مام نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔
"تم جانتے ہو نا صلہ کے ساتھ جو ہوا۔ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے تم یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہو۔ مجھے یہ قبول نہیں ہے۔" مام نے اس کی بات پوری سنے بغیر ہی اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔
"مام.... میں نے...."
"ایک سیکنڈ بیٹا...." ڈیڈ نے اسے بولنے سے روکا تھا۔
"میری بات سنو بیٹا.... دیکھو جو کچھ ہوا وہ سب تمہارے سامنے ہے۔ بے شک تم نے بہت سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کیا ہوگا مگر یہ ایک دن کی بات نہیں ہے۔ تمام زندگی کا معاملہ ہے اور صرف تم ہی نہیں ہم سب بھی اس میں انوالو ہوں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو تمہیں پچھتاوا ہو یا اپنا فیصلہ تمہیں جلد بازی لگے تو سوچ لو حمدان.... اس بچی کے ساتھ پہلے بھی کوئی اچھا نہیں ہوا۔ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی اس نے سزا بھگتی اور اب اگر ایسا ویسا کچھ ہوا تو وہ سہہ نہیں پائے گی اور تم ایک بالکل الگ دنیا کے انسان ہو' زندگی کو مختلف رنگ سے دیکھنے کے عادی ہو۔ جلد بازی میں کوئی بھی فیصلہ مت کرنا۔ اچھی طرح پھر سے سوچ لو اگر تم پھر بھی اپنے فیصلے پہ قائم رہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں خود احمد سے بات کروں گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" وہ بس خاموشی سے ڈیڈ کو سن رہا تھا۔ وہ انہیں کہنا چاہ رہا تھا۔ انہیں بتانا چاہ رہا تھا کہ وہ صلہ سے کس حد تک محبت کرتا ہے اور آج سے نہیں بلکہ پہلے سے۔ یہ سب ہونے کے بھی بہت پہلے سے۔ مگر ایک جھجک تھی جو آڑے آ رہی تھی اور وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔
"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ بجائے اس کو سمجھانے کے آپ اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اس کو کوئی لڑکیوں کی کمی ہے کیا۔ ایک اشارہ کرے تو ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی اس کی منتظر ملے گی۔ پھر صلہ ہی کیوں اور پھر لوگ کیا کہیں گے۔" اب کہ مام ذرا خفگی سے بولی تھیں۔
"لیکن مام ان ساری لڑکیوں میں صلہ نہیں ہوگی اور مجھے صلہ سے ہی شادی کرنی ہے۔ ڈیڈ پلیز آج احمد انکل سے بات کریں اور مجھ پہ بھروسا رکھیں۔" وہ جو اب تک کہہ نہیں پا رہا تھا۔ مام کی بات سن کر وہ آسانی سے اپنی بات کہہ گیا تھا اور ڈیڈ نے ایک پل میں جان لیا تھا سمجھ لیا تھا کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ دل سے ایسا چاہتا ہے وگرنہ سچ یہی تھا کہ اسے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر اسے لڑکیاں نہیں صرف صلہ چاہیے تھی اور انہوں نے اسی پل سوچ لیا تھا کہ وہ احمد سے بات ضرور کریں گے اور بیوی کو بھی سمجھائیں گے۔
"دیکھو مریم.... بات کو سمجھو۔ اس کی آنکھوں میں دیکھو تمہیں سب سمجھ آ جائے گا کہ وہ ایسا کیوں چاہ رہا ہے اور پھر صلہ کے ساتھ جو ہوا اس میں اس بچی کا کیا قصور ہے۔
سچ کہوں تو مجھے فخر ہے اپنے بیٹے پہ کہ اس نے ایک عام انسان سے ہٹ کر سوچا اور ایک بہترین فیصلہ کیا ہے۔" اس رات کھانے کی میز سے حمدان کے اٹھ جانے کے بعد ڈیڈ نے انہیں سمجھایا تھا اور وہ کچھ کچھ رضامند بھی نظر آ رہی تھیں۔
"تو کیا احمد بھائی مان جائیں گے۔" وہ نیم رضامندی سے بولی تھیں اور خدشے کا اظہار کیا تھا۔ "بات کر کے دیکھتے ہیں۔ اسے کوئی اعتراض ہونا تو نہیں چاہیے' کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو ایک ٹھوکر کھا کر سنبھل جانا چاہیے۔" انہوں نے نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا تھا۔
"ہوں.... خدا کرے ایسا ہی ہو۔"
وہ اب کہ خلوص دل سے بولی تھیں۔ کیونکہ بے شک وہ حمدان کی خوشی میں خوش تھیں بس ذرا جذبات

میں آئی تھیں اور لازمی بات ہے کہ ہر ماں کی طرح ان کے دل میں بھی حمدان کے حوالے سے کوئی خواب تھے اور وہ اسے پورا بھی کرنا چاہتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

صلہ نے حمدان کے پرپوزل سے انکار کر دیا تھا۔ جس نے بھی سنا وہ حیران ہی رہ گیا تھا۔ کیونکہ اول تو ایسی سچویشن میں حمدان رضا جیسے بندے کا پرپوزل آنا ہی حیرت اور خوشی کا باعث تھا اور پھر صلہ کے انکار نے سب کو ہی حیران اور پریشان کر دیا تھا۔ سب نے ہی اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ ہر ممکن طریقے سے اسے سمجھانا چاہا مگر اس کی نا..... ہاں میں نہ بدلی۔ اس کا ایک ہی جواب تھا کہ اسے شادی نہیں کرنی اور حمدان رضا سے تو بالکل بھی نہیں۔ مرتضیٰ انکل اور آنٹی خود بڑے مان سے پرپوزل لے کر آئے تھے اور ان کی بہت خواہش تھی کہ ان کی بات مان لی جائے اور انکار نہ کیا جائے۔ اندر سے تقریباً سب ہی راضی تھے ماما... حماد بھائی اور بھابھی بس رسمی طور پر سوچنے کا وقت مانگا تھا۔ بابا البتہ بالکل خاموش تھے انہوں نے اس معاملے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ لیکن پھر صلہ کے انکار نے سب کو ہی مایوس کر دیا تھا۔ اس طرح ان لوگوں کو ایک دم سے انکار کر دینا ماما کو قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جبکہ وہ تھوڑا بہت حمدان کی خواہش کے بارے میں جانتی تھیں۔ سو وہ پریشان تھیں۔ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے صلہ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ نہ مانی تو وہ تھک کر صلہ کے بابا کے پاس چلی آئی تھیں تاکہ وہ اسے سمجھا سکیں۔ مگر ان کا جواب سن کر وہ اور الجھ گئی تھیں۔ انہوں نے صلہ سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

"نہیں صالحہ... اس معاملے میں مجھ سے کوئی امید مت رکھنا۔ میں صلہ سے بات نہیں کروں گا۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے فیصلہ کرے۔ مجھے قبول ہو گا بلکہ ہم سب کو قبول کرنا ہو گا۔ کیونکہ جو ہو چکا میں اسے بدل نہیں سکتا مگر اب میں چاہتا ہوں کہ وہ باقی کی زندگی اپنی مرضی سے گزارے۔ جیسے چاہے بنا کسی روک ٹوک اور ڈر کے... بغیر کسی خوف کے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس پہ اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرے گا۔"

ان کے دو ٹوک انکار پہ وہ بالکل خاموش ہو گئیں تھیں اب وہ کیا کریں انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

حمدان اپنے کنسرٹ کے سلسلے میں چند روز کے لیے دبئی میں تھا اسے اتنا پتا تھا کہ ماما اور ڈیڈ صلہ کے گھر اس کا پرپوزل لے کر گئے ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ صلہ نے انکار کر دیا ہے اور آج جب وہ واپس آیا تو اسے یہ پتا چلا۔ ماما نے اسے جب یہ بتایا تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے صلہ اس سے ناراض ہے وہ ذرا پریشان ہے اپنے حالات کی وجہ سے مگر وہ یوں انکار کر دے گی۔ اس نے سوچا نہیں تھا۔

یہ خبر حمدان کے لیے دکھ کا باعث تھی۔ تب ہی اس نے سوچا تھا کہ وہ ایک بار اس سے ضرور ملے گا۔ اس سے بات کر کے اس کو منانے کی کوشش ضرور کرے گا اور اسے پورا یقین تھا کہ وہ اسے منا لے گا۔ یہی سوچ کر اس نے آنٹی سے کہا تھا کہ وہ صلہ سے ملنا چاہتا ہے اور انہوں نے بنا کسی تردد کے اسے اجازت دے دی تھی۔ کیونکہ دل سے وہ بھی یہی چاہتی تھیں کہ صلہ کسی طرح مان جائے اور پھر اگلی شام دل میں امید لیے وہ اس سے ملنے چلا آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پھوپھو ماما اور دادی کب تک آئیں گی۔" عالیان نے یہی سوال کوئی چوتھی بار اس سے کیا تھا اور صلہ اس کی بے چینی پہ مسکرا دی تھی۔

"بس تھوڑی دیر میں آجائیں گی بیٹا۔ ابھی آپ کے سامنے میں نے انہیں فون کیا ہے نا۔" صلہ نے پیار سے اس کے بال سہلائے تھے اور چوتھی بار بھی اسے وہی جواب دیا تھا جو پہلے تین بار دے چکی تھی۔ دراصل ماما اور بھابھی کافی دیر سے بازار گئیں ہوئی تھیں اور عالیان سے وعدہ کیا تھا کہ واپسی پہ اس کے

لیے نئی وڈیو گیمز لائیں گی اور تب سے اب تک عالیان کی بے تابی عروج پر تھی۔ اس کا کسی چیز میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ مگر وہ زبردستی جاگ رہا تھا۔ کارٹون میں بھی اس کا دل نہیں لگ رہا تھا اور صلہ مسلسل اس کے ساتھ بیٹھی اس کا دھیان بٹا رہی تھی اور اس کے چھوٹے چھوٹے سوالوں کے جواب دے رہی تھی اور سچ تھا کہ جب سے عالیان آیا تھا تب سے صلہ کا دل کافی بہل گیا تھا۔

"آپ ایسا کرو عالیان تھوڑی دیر سو جاؤ۔ دیکھو آپ کی آنکھیں کتنی ریڈ ہو رہی ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں جیسے ہی آپ کی ماما آئیں گی میں آپ کو جگا دوں گی پھر آپ فریش ہو کے وڈیو گیم کھیلنا۔" صلہ کے وعدہ کرنے پہ وہ بمشکل سونے پر رضامند ہوا تھا اور چند ہی لمحوں میں گہری نیند میں چلا گیا تھا۔ صلہ کتنے ہی لمحے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیسے اپنی نیند کو بھگا رہا تھا اور اب پل میں غافل ہو گیا تھا۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس سے اٹھی کمفوٹ اچھی طرح اسے اوڑھا کر لائٹ آف کر کے نائٹ بلب جلا کر اور دروازہ کھول کر باہر آنا چاہتی تھی کہ ملازمہ نے دروازے پہ ناک کیا تھا۔

"صلہ باجی آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" اس کے زور سے بولنے پہ صلہ نے فوراً" ہی اشارے سے اسے روکا تھا کہ کہیں عالیان جاگ نہ جائے تو وہ مزید کچھ بھی کہے بنا واپس چلی گئی تھی اور صلہ اس سے پوچھ نہیں سکی تھی کہ کون آیا ہے وہ دروازہ بند کرتی پیچھے آگئی تھی۔ لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے ڈرائنگ روم میں نگاہ کی تو وہاں بڑی گلاس ونڈو کے پاس کوئی پیٹھ موڑے کھڑا تھا۔ وہ پل میں سمجھ گئی کہ آنے والا مہمان کون ہے۔ اتفاق ہی تھا کہ اس وقت گھر پہ صلہ اور عالیان کے علاوہ ملازم تھے اور کوئی نہیں تھا ورنہ وہ یقیناً" اس سے ملنے سے انکار کر دیتی۔ مگر اب نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اسے دیکھ چکا تھا۔ سو واپس جانا نا گزیر تھا۔

"گڈ ایوننگ..." اس نے ہاتھ میں تھاما ریڈ روز کا بکے اسے تھمایا تھا۔ جسے تھوڑی سی حجت کے بعد صلہ نے تھام لیا تھا۔

"کیسی ہو..." مسکرانے کا وہی جان لیوا انداز اور آنکھوں میں وہی چمک جو مقابل کو پل میں زیر کر دے۔

"ٹھیک ہوں... بیٹھو..."

اس نے بے دھیانی سے پھول سائڈ میں رکھ دیے تھے۔ حمدان نے بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔ کتنی بے دھیانی سے اس نے پھولوں کو سائڈ میں ڈال دیا تھا۔ ایک بھی لفظ کہے بنا... صلہ ایسی تو نہیں تھی۔

"پوچھو گی نہیں میں اتنے دنوں سے کہاں تھا کدھر بزی (مصروف) تھا۔" اس کی خاموشی سے گھبرا کر حمدان نے خود ہی بات کرنے میں پہل کی تھی۔ ورنہ اس نے تو جیسے بات نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"تم خود ہی بتا دو۔" وہ دھیمے سے بولی تھی۔

"چلو رہنے دو۔ کوئی اور بات کرتے ہیں۔" حمدان نے بہت دھیان سے اسے دیکھا تھا۔ مسکرانا تو جیسے وہ بھول ہی گئی تھی۔

"میں تمہارے لیے کچھ لایا تھا آئی ہوپ (مجھے امید ہے) کہ تمہیں پسند آئے گا" وہ مسکراتے ہوئے اپنے جیکٹ کی جیب سے کچھ نکالنے لگا تھا اور صلہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے انکار کے بعد حمدان کا یوں اس سے اب بھی ملنے آنا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"یہ تمہارے لیے..." اس نے ایک مخملیں کیس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"یہ کیا ہے۔" اس نے تھاما نہیں تھا۔ لیکن مخملیں کیس کو دیکھ کر پتا چل رہا تھا کہ اندر کیا ہے۔

"تم دیکھو تو سہی..." اس کے اصرار پہ صلہ نے وہ کیس کھول لیا تھا۔ اندر ایک بہت ہی نفیس ڈائمنڈ رنگ تھی۔

"کسی بھی لڑکی کو رنگ دینے کا مطلب تو تم جانتے ہی ہو گے حمدان..." صلہ نے کیس بند کر کے واپس

ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"بہت اچھی طرح سے۔۔۔ چلو تمہیں بھی بتادیتا ہوں کہ ایک لڑکا ایک لڑکی کو اس وقت رنگ گفٹ کرتا ہے جب وہ اسے پرپوز کرتا ہے۔ اور مس صلہ احمد۔۔۔ میں حمدان رضا آپ کو پرپوز کررہا ہوں اور آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی۔" وہ اس کے سامنے آبیٹھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھامے نہایت خوش دلی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ صلہ زیادہ دیر تک اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھ نہیں پائی تھی۔

"میں اپنا جواب بتاچکی ہوں حمدان۔ پھر یہ سب کیا ہے۔" اس نے سرعت سے اپنے ہاتھ چھڑائے تھے۔ پل میں اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑی تھی۔ وہ خود کو حمدان رضا جیسے پرخلوص اور پیارے شخص کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ پہلے کی بات اور تھی لیکن اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے کچھ بھی سنے، برداشت کرے۔ اسے پچھتانے پہ مجبور نہیں کرسکتی تھی۔

"میں جانتا ہوں صلہ۔۔۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ہم سب کچھ بھلا کر ایک نئی شروعات کریں۔ جو ہوچکا صلہ وہ واپس نہیں لوٹ سکتا اور نہ ہی اسے بدلا جاسکتا ہے۔ ہاں مگر اسے بھلایا ضرور جاسکتا ہے اور اسے بھول کر ہی تم اپنی زندگی میں آگے بڑھ سکتی ہو۔ تم وہ سب ایک بھیانک خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ میں آج بھی تمہارا منتظر ہوں۔۔۔ پلیز صلہ زندگی کی خوشیوں سے یوں منہ مت موڑو۔" وہ کتنی ہی بار کی سمجھائی ہوئی باتیں پھر سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"کہنا بہت آسان ہوتا ہے حمدان اور کرنا بہت مشکل۔۔۔ سب کے لیے مجھے 'سمجھانا' کہنا بہت آسان ہے۔ مگر جو تکلیف میں نے سہی۔۔۔ جو ذلت' جو اذیت میں نے اٹھائی وہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ وہ لوگ جو مجھے رشک سے دیکھتے تھے۔۔۔ آج مجھے دیکھ کر منہ پھیرتے ہیں افسوس کرتے ہیں۔ مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے حمدان۔۔۔ میں جب سب لوگوں کو اپنی وجہ سے پریشان دیکھتی ہوں۔ مجھے دکھ ہوتا ہے۔ مگر میں کیا کروں میں روز خود کو سمجھاتی ہوں۔ آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہوں مگر روز ناکام ہوجاتی ہوں۔" اس کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش صاف محسوس ہورہی تھی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں صلہ۔۔۔ مگر تم مانو یا نہ مانو تمہیں اس طرح دیکھ کر جو تکلیف مجھے ہوتی ہے۔ میرے دل کو جو دکھ محسوس ہوتا ہے۔ وہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں تمہیں اس طرح نہیں دیکھ سکتا صلہ۔۔۔ میں۔۔۔"

"حمدان اب میری بات سنو تم۔۔۔" صلہ نے اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا۔ وہ اب بس اسے سننے لگا تھا۔

"اب تم میری بات سنو۔۔۔ کیونکہ صرف تم ہی ہو۔ جس سے میں اپنے دل کی بات شیئر کرسکتی ہوں۔ تمہاری دوستی۔۔۔ تمہارا خلوص میرے لیے بہت قیمتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنے دل پہ دھرے بوجھ تم سے بانٹے ہیں اور اس پہ مجھے کوئی شرمندگی بھی نہیں ہے، مگر میں اپنی ذات سے جڑے دکھ اور پچھتاوے تمہیں نہیں دے سکتی۔ میں تم سے شادی نہیں کرسکتی۔۔۔ تم بہت اچھے ہو۔ تمہارا ساتھ کسی بھی لڑکی کے لیے خوش نصیبی کی ضمانت ہوگا مگر وہ خوش نصیب میں نہیں ہوں۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ صلہ کہ اگر میری زندگی میں کوئی آئے تو وہ تم ہو۔۔۔ وہ خوش نصیبی تمہارے حصے میں آئے۔" لیکن وہ اسے کوئی آس کوئی امید نہیں دے رہی تھی اور حمدان کا دل جیسے اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جارہا تھا۔ کیونکہ اسے پورا بھروسا تھا کہ وہ اسے منالے گا۔ لیکن اس کا بھروسا' اس کا مان و یقین صلہ نے توڑ دیا تھا۔

وہ اتنی سخت دل بھی ہوسکتی ہے۔ حمدان نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ بنا کوئی وجہ بتائے وہ انکار کررہی تھی اور بس یہی بات حمدان کو دکھ دے رہی تھی۔ اب کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ وہ بمشکل جانے کو اٹھا تھا۔ تب ہی صلہ کی پکار نے اس کے قدموں کو روکا تھا۔ وہ خوش گمانی میں گھرنے لگا تھا۔

"یہ انگوٹھی اور پھول واپس لے جاؤ۔" یہ صلہ نے کہا تھا۔ وہ کتنے ہی لمحے بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا تھا اور پھر غصے کی لہر نے اس کے وجود کو جکڑ لیا تھا۔

"یہ انگوٹھی میں نے تمہارے لیے خریدی تھی۔ تم اگر اسے پہن لیتیں تو مجھے اچھا لگتا۔ مگر تمہیں نہیں رکھنی تو تم اسے گٹر میں پھینک دو یا سمندر میں بہادو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لیے اب یہ بے کار ہے۔"

وہ چلا گیا تھا۔ شاید ہمیشہ کے لیے.... غصہ' تکلیف' دکھ' خفگی یا کچھ تھا اس کے لہجے میں صلہ سمجھ نہیں سکی تھی۔ لیکن اس کا دل نہیں مانتا تھا کہ وہ حمدان جیسے پیارے شخص پہ اپنا وجود مسلط کرے۔ پتا نہیں اسے لگتا تھا کہ جس محبت کا وہ دعوا کرتا ہے وہ وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی اور اس وقت صرف ہمدردی اور پچھتاوا نہ رہ جائے ان کی زندگی میں.... اور ایسا صلہ نہیں چاہتی تھی۔ بس اس کا دل نہیں مانتا تھا.... مگر اب جب وہ چلا گیا تھا تو صلہ کو لگا کہ اس نے پھر سے اسے کھو دیا ہے۔ پھر سے اسے وہی تکلیف' وہی دکھ محسوس ہو رہا تھا۔ جو پہلی دفعہ اسے کھونے پہ ہوا تھا۔ جتنی دیر وہ گلاس ونڈو سے نظر آتا رہا وہ اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر پتا نہیں چلا۔ آنسو اس کے چہرے کو بھگونے لگے تھے اور اس بار وہ اپنی پچھلی زندگی کو سوچ کر نہیں رو رہی تھی۔ بلکہ حمدان کو کھو کر رو رہی تھی .... صلہ کو تو آج پتا چلا تھا کہ وہ بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی ہے۔ جتنی وہ کرتا ہے یا شاید اس سے بھی زیادہ.... مگر کبھی کبھار وقت اور حالات انسان کو بہت مجبور کر دیتے ہیں.... کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ کرنے پہ مجبور ہو جاتا ہے جو وہ عام حالات میں شاید نہ کر پائے اور ایسا ہی صلہ کے ساتھ بھی ہو رہا تھا اور ہمیشہ ہی ہوتا آیا تھا.... وہ رو رہی تھی' پھول اور انگوٹھی ابھی تک وہیں رکھے تھے۔ جہاں حمدان رکھ کر گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کتنے ہی سارے دن یوں ہی بے کیف سے گزر گئے تھے۔ اس دن کے بعد سے حمدان نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اور لازمی بات ہے آخر کب تک کرتا آخر کو اسے پیچھے ہٹنا ہی تھا اور بس اسی بات سے صلہ گھبرائی تھی۔ لیکن پھر جانے کیوں اب وہ اس کی منتظر رہنے لگی تھی اس کی کسی کال یا مختصر سے میسج کی مگر اس بار وہ مکمل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا اور اسی طرح صلہ کی خاموشی بھی طویل تر ہوتی جا رہی تھی۔ پر ان ہی دنوں ماما کی طبیعت پھر سے خراب رہنے لگی تھی۔ وہ پھر سے ہائپر ٹینشن کا شکار رہنے لگی تھیں۔ سب ہی ان کا بہت خیال رکھ رہے تھے اور صلہ تو مستقل ہی ان کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی اور اس وقت بھی وہ ان کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ وہ لیٹی ہوئی تھیں۔ مگر جاگ رہی تھیں اور صلہ ان کا سر دبا رہی تھی۔ بابا ابھی اٹھ کر گئے تھے۔

"بس کرو اب.... تھک جاؤ گی بیٹا۔" انہوں نے صلہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا تھا۔ وہ بنا کچھ بولے اسی طرح ان کا سر دباتی رہی تھی۔

"ماما.... آپ نے پھر سے کیوں اپنی طبیعت خراب کر لی۔ اتنی مشکل سے آپ کی طبیعت سنبھلی تھی۔ آخر کس چیز کی ٹینشن آپ نے خود پر سوار کر لی ہے۔ اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ حماد بھائی ہمارے ساتھ ہیں اور زویا بھی کچھ عرصے میں ہمارے پاس آئے گی۔ پھر کیا وجہ ہے ماما؟" وہ کتنے ہی دنوں سے یہ سب سوچ رہی تھی اور آج اس نے ماما سے کہہ دیا تھا۔

"صلہ.... بیٹا کیا صرف حماد اور زویا ہی میری اولاد ہیں۔ تم کچھ نہیں ہو.... تمہاری یہ خاموشی' یہ اداس زندگی مجھے دکھ نہیں دے سکتی بیٹا...." انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ماتھے سے ہٹا کر اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر سینے پہ رکھ لیا تھا۔

"ماما.... مگر میں نے تو کبھی آپ سے کوئی شکایت نہیں کی.... میں ٹھیک ہوں بالکل.... پھر آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں میرے لیے۔" وہ کچھ الجھ کر بولی تھی۔ دراصل اس نے کبھی بھی ماما اور بابا کو اپنے لیے پریشان ہوتے ذرا کم ہی دیکھا تھا۔ وہ دونوں اکثر حماد بھائی اور

زویا کے لیے پریشان اور فکر مند رہا کرتے تھے اور اب تو جیسے اس کی ذات ان کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی تھی۔

"تو بیٹا شکایت کرونا... کبھی تو کوئی شکایت لبوں پہ لاؤ... تم نے تو اندر ہی اندر سب پی لیا۔ خاموشی سے بنا کچھ کہے... ہم نے ہمیشہ اپنی سب پریشانی سب تکلیفیں تم سے شیئر کیں اور کبھی نہیں سوچا اور نہ کبھی تم سے پوچھا کہ تم کیا چاہتی ہو یا تمہیں کوئی شکایت تو نہیں اور تم بھی بس چپ چاپ وہی کرتی رہیں جو ہم نے کہا اور جب تک ہمیں احساس ہوا تب تک تو بہت دیر ہو چکی تھی بیٹا... مگر اب بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ جہاں تم نے اتنا سب مانا وہاں بس اب میری ایک بات مان لو بیٹا۔" وہ چند لمحوں کو رک کر اسے دیکھنے لگی تھیں جو منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"حمدان کے لیے ہاں کہہ دو بیٹے۔ جو گزر چکا اسے بھول جاؤ بیٹا... مجھے پورا یقین ہے ان شاء اللہ تمہیں تمہارے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی۔ میں اور تمہارے بابا تمہیں اس طرح دیکھ کر بہت برا محسوس کرتے ہیں بیٹا..."

"حمدان... حمدان آخر اب ایک دم سے آپ سب کو وہ اتنا اچھا کیوں لگنے لگا ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ ہمدردی کر رہا ہے۔ ترس کھا رہا ہے۔ وہ تو ضدی ہے ماما... جلد بازی کر رہا ہے آپ لوگ تو سمجھنے کی کوشش کریں۔" وہ بری طرح سے چڑ گئی تھی۔ ایک ہی ذکر جس سے وہ بار بار بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہی بار بار دن میں کئی بار اس کے سامنے دہرایا جا رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں بیٹا... تم کیا سوچ رہی ہو۔ لیکن جتنا میں اسے جان پائی ہوں نا وہ جلد باز ہے' ضدی بھی ہو گا مگر نا سمجھ نہیں ہے۔ اگر یہ سب نہ ہوا ہوتا تو یقیناً" حمدان تمہارے لیے میری فرسٹ چوائس ہوتا۔ اس لیے میں چاہتی ہوں بیٹا کہ تم تھوڑا سا سمجھ داری سے کام لو... خوشیاں بار بار نہیں ملتیں... زندگی میں خوشیاں بہت کم ملتی ہیں۔ سو جب بھی ملیں بڑھ کر استقبال کرو... منہ مت موڑو... روٹھ جاتی ہیں۔ سوچ لو بیٹا اچھی طرح سوچ لو... پھر فیصلہ کرو مگر کوئی بے وقوفی مت کرنا..." ماما کی باتیں اس کے دل و دماغ کے بند دروازے' کھڑکیوں کو کھول رہی تھیں۔ اتنے دنوں سے سب یہی باتیں کر رہے تھے اور سب سے بڑھ کر حمدان وہ خود کتنی آس کتنے خلوص سے اس کے پاس آیا تھا اور اس نے کتنی بے دردی سے اس کا دل توڑا اور سب سے بڑھ کر وہ خود اس کا اپنا دل اب بے وفائی کر رہا تھا۔ اکسا رہا تھا کہ کھول دو دروازہ... میں منتظر ہوں مکین کا... کب سے دل کے نہاں خانوں میں چھپی خواہش کو پورا ہو جانے دو... مگر بس وہ ڈرتی تھی۔ وہ آج بھی اس چند گھنٹوں کی تکلیف و رسوائی کو بھول نہیں پائی تھی اور اگر پھر سے یہی سب ہوا تو... وہ سہہ نہیں پائے گی۔ بس یہی سوچ کر وہ ڈرتی تھی۔ ماما اب بھی اسے سمجھا رہی تھیں۔ زمانے کی زندگی کی اونچ نیچ سے آگاہ کر رہی تھیں اور وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھیں۔ قطرہ قطرہ پانی اگر پتھر پہ بھی پڑے تو وہ اس میں بھی سوراخ کر دیتا ہے۔ پھر وہ تو ایک انتہائی معمولی کمزور سی انسان تھی۔ محبتوں اور خلوص سے گندھی لڑکی... جس کا ضمیر ہی محبت سے اٹھا تھا اور محبت کا ہی منتظر تھا۔

"ٹھیک ہے ماما... جو آپ کو مناسب لگتا ہے آپ وہی کریں میں ایک بار پھر سے صرف آپ سب کی خاطر زندگی کو آزماتی ہوں بس دعا کریں کہ اس بار کچھ ایسا نہ ہو۔ جو میں سہہ نہ پاؤں۔" اس نے سب کے سامنے ہار مان لی تھی اور خود کو ایک بار پھر سے تقدیر کے حوالے کر دیا تھا۔

"واقعی میں... میری پیاری بٹی۔ اللہ تیرا شکر ہے۔" وہ تشکر سے کہتی ہوئیں فوراً" ہی اٹھ بیٹھی تھیں۔ جیسے ان کے اندر کسی نے توانائی بھر دی ہو اور کتنے ہی دنوں بعد صلہ کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"میں ابھی تمہارے بابا کو خوش خبری سناتی ہوں اور

پھر ان لوگوں کو فون کرتی ہوں۔ وہ کب سے ہمارے جواب کے منتظر ہیں۔" وہ خوشی سے بھرپور آواز میں بول رہی تھیں اور صلہ انہیں خوش اور مطمئن دیکھ کر خوش تھی۔

☼ ☼ ☼

"آیئے ناظرین اب ہم آپ کو لیے چلتے ہیں انٹرٹینمنٹ کی دنیا میں جہاں ہم آپ کو میوزک ورلڈ سے ایک ایسی خبر دے رہے ہیں جو آپ کو شاکڈ کردے گی۔" اگلی صبح سب کے ساتھ ناشتا کرکے بابا اور حماد بھائی آفس کے لیے نکلے تھے۔ ماما نے سب کو ہی صلہ کے فیصلے کے بارے میں بتایا تھا اور سب ہی بہت خوش ہوئے تھے اور مطمئن بھی۔ بابا اور بھائی کے جانے کے بعد ماما اٹھ کر اپنے کمرے میں گئی تھیں تو وہ اور بھابھی اپنی چائے کے مگ لے کر یہیں لاؤنج میں آبیٹھی تھیں۔

"صلہ۔۔۔ میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔۔۔ تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔۔۔ میں اب تک جتنا حمدان کو جان پائی ہوں۔ وہ ایک اچھا محبت کرنے والا انسان ہے اور اس میں گھمنڈ بالکل نہیں ہے اور ایسے لوگ زندگی میں بہت کامیاب رہتے ہیں۔ ان شاء اللہ تم دونوں بہت خوش رہو گے۔" بھابھی نے اسے بہت خلوص سے کہا تھا اور صلہ نے بھی ان کی بات پہ تہ دل سے آمین کہا تھا۔ بھابھی نے چائے کا مگ ٹیبل پہ رکھ کر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرلیا تھا۔ اسی پل ان کا فون بجا تھا تو وہ ریموٹ اسے پکڑا کر اپنا مگ اٹھائے اور فون کان سے لگائے اس سے ایکسکیوز کرتیں اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ تب ہی صلہ نے اسکرین پہ نگاہ ڈالی تھی۔ وہاں کوئی نیوز چینل لگا ہوا تھا۔ لیکن ٹی وی میوٹ پہ ہونے کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ چینل بدلتی۔ بریک ختم ہوئی اور اسکرین پہ آتی حمدان کی تصویر نے اسے یک دم ہی والیوم بڑھانے پر مجبور کردیا تھا۔ عرصہ ہوا اس نے ٹی وی دیکھنا چھوڑ رکھا تھا اور اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ آج کل میوزک میں حمدان کی کیا مصروفیات ہیں۔ مگر یہاں چلتی نیوز نے اسے چکرا دیا تھا۔

"حمدان رضا جو کہ ہمارے ملک کے معروف سنگر اور لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہیں۔ انہوں نے یکایک میوزک انڈسٹری چھوڑنے اور ملک سے باہر جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ان کا یہ فیصلہ سب کے لیے پریشانی کا باعث بن گیا ہے۔" اب نیوز اینکر مزید تفصیل بتا رہا تھا اور صلہ بس خاموشی سے اسکرین کو گھور رہی تھی۔

"تو کیا زندگی کی خوشیوں پہ اس کا ذرا بھی حق نہیں ہے۔" کل رات وہ قدرے مطمئن ہو کر سوئی تھی اور آج اس نے سوچا تھا کہ وہ حمدان کو اپنے فیصلے کے بارے میں بتائے گی، لیکن صبح ہوتے ہی اسے یہ سب سننے کو ملے گا۔ اس نے قطعی نہیں سوچا تھا۔

"انہوں نے اپنے اس فیصلے کے بارے میں کوئی بھی بات کرنے سے منع کردیا ہے' مگر ان کے سیکریٹری علی اسلم جو کہ ان کے قریبی دوست بھی ہیں' انہوں نے اس فیصلے کی وجہ کسی پرسنل ایشو کو قرار دیا ہے اور میڈیا کو مزید کچھ بتانے سے معذرت کرلی ہے۔"

"تو کیا وہ میری وجہ سے۔۔۔"

"مگر کیوں۔۔۔ میوزک وہ کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ میوزک تو اس کا پیشن (جنون) ہے۔ میوزک تو اس کی زندگی۔" وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔

"ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ حال ہی میں انہوں ایک مشہور ڈائریکٹر کی فلم بھی سائن کی تھی جس میں وہ میوزک کے ساتھ ساتھ ایکٹنگ بھی کرنے والے تھے اور ان کے فینز کو شدت سے اس کا انتظار تھا' مگر اب لگتا ہے کہ وہ پروجیکٹ ختم ہوجائے گا اور ان کے فینز کو مایوس ہونا پڑے گا۔ ہم آپ کو ایک بار پھر سے بتاتے چلیں کہ معروف سنگر اور ایکٹر حمدان رضا۔۔۔" نیوز اینکر اب پھر سے سب دہرا رہا تھا اور وہ اپنی جگہ سن سی بیٹھی تھی۔

"تو کیا۔۔۔ اس بار بھی خسارہ میرے ہی حصے میں آئے گا۔

"کیا اس بار۔۔۔ بھی مجھے میرے حصے کی زمین اور

آسمان نہیں مل پائے گا۔ اس بار بھی یہ گلٹ ساری زندگی کے لیے میرے ساتھ رہ جائے گا کہ حمدان نے میری وجہ سے اپنا سب کچھ چھوڑا۔۔۔ اس کے مام ڈیڈ جن سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔ وہ میری وجہ سے اس سے دور ہو جائیں گے۔۔۔

نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ اس بار ایسا نہیں ہو گا۔"

اس سوچ کے آتے ہی وہ فوراً" ہی اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر تیزی سے باہر نکل آئی تھی۔ کسی کو بھی بتائے بنا۔۔۔ کسی کو بھی کچھ بھی کہے بنا۔۔۔

☼ ☼ ☼

اس نے گاڑی کی چابی ڈرائیور کو تھمائی اور اسے گاڑی باہر نکالنے کو کہا اور خود تیزی سے گیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔ سامنے مرتضیٰ انکل کے گھر کا گیٹ بند تھا۔ وہ تیزی سے ان کے گھر کی طرف بڑھی تھی اور وہاں موجود چوکیدار اسے آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"حمدان گھر پہ ہے۔۔۔" اس نے بجائے اندر جانے کے اس سے پوچھ لیا تھا۔ کیا پتا وہ گھر پہ ہو نہ ہو۔۔۔ اس کی گاڑی بھی اسے گیٹ کے باہر تو نظر نہیں آ رہی تھی۔

"نہیں بی بی۔۔۔ چھوٹے صاحب تو گھر پر نہیں ہیں بلکہ وہ تو کئی دنوں سے گھر آئے ہی نہیں ہیں۔ بڑے صاحب اور بیگم صاحبہ بھی ان کے لیے بہت پریشان ہیں۔ آپ کو کوئی کام ہے جی ان سے؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا، لیکن وہ چوکیدار کو کوئی بھی جواب دیے بنا تیزی سے واپس پلٹی تھی۔ وہ گھر پر نہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ یقیناً" علی کے اپارٹمنٹ میں ہو گا۔ مجھے جانا ہو گا۔۔۔ ڈرائیور گاڑی نکال چکا تھا اس نے چابی تھامی اور ماما کو بتانے کا کہہ کر گاڑی میں بیٹھ کر اس نے گاڑی فل اسپیڈ میں چھوڑ دی تھی اور ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ وہاں پہنچ چکی تھی۔ کتنے ہی لمحے وہ گاڑی میں بیٹھی سوچتی اور لفظ ترتیب دیتی رہی تھی کہ اسے حمدان سے کیا کیا کہنا ہے اور پھر گاڑی سے اتر آئی تھی۔ ہوا آج بھی بہت تیز چل رہی تھی۔ آسمان پہ اکا دکا بادل بھی تیر رہے تھے، مگر بارش کے آثار نہ تھے۔ کمپارٹمنٹ میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ کیمرے اور مائنک کے ساتھ وہ یقیناً" میڈیا اور پریس کے لوگ تھے جو حمدان کی یہاں موجودگی کی خبر پاتے ہی جمع ہو چکے تھے۔ وہاں سے اندر جانے کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ وہ دوسری طرف سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تھی۔ بیل بجانے پہ علی نے ہی دروازہ کھولا تھا اور اسے دیکھ کر ایک طرف کو ہٹ گیا تھا اور اس کا مطلب تھا کہ حمدان اندر ہی تھا۔ وہ اندر چلی آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر پورا کمرا جیسے الٹا پڑا تھا۔ بیڈ پر، کاؤچ پہ، کارپٹ پہ جیسے ہر جگہ بس سامان ہی پڑا تھا۔ پورا بیڈ کپڑوں سے بھرا پڑا تھا اور وہ ایک سوٹ کیس بیڈ پہ رکھے، دروازے کی طرف پیٹھ کیے خاموشی سے سر جھکائے، اس میں کپڑے رکھ رہا تھا۔ پاس ہی ایک اور سوٹ کیس خالی کھلا پڑا تھا، اس نے دھیرے سے کھلے دروازے پہ ناک کیا تھا جس کا کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ اس نے دوبارہ ہلکا سا ناک کیا تھا۔

"علی پلیز بار بار مجھے ڈسٹرب مت کرو۔ چلے جاؤ اکیلا چھوڑ دو مجھے پلیز۔۔۔" وہ مڑے بغیر بولا تھا۔

"حمدان۔۔۔" صلہ کے پکارنے پہ وہ بے اختیار ہی پلٹا تھا۔ لحہ بھر کو اس کی آنکھوں میں چمک سی اتری تھی، لیکن اگلے ہی پل وہ پھر سے مصروف ہو چکا تھا وہ اندر آ گئی تھی۔

"اگر تم بھی سب کی طرح مجھے روکنے آئی ہو صلہ۔۔۔ تو کچھ مت کہنا کیونکہ میں بھی تمہاری طرح فیصلہ کر چکا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی کیسے گزارنی ہے اور اب میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔" اس نے سوٹ کیس بند کر کے نیچے رکھا تھا اور دوسرا سوٹ کیس اپنی طرف گھسیٹ لیا تھا۔

"مگر تم جا کیوں رہے ہو؟ یوں اس طرح اچانک۔۔۔ بنا کسی کو بتائے، بنا کسی وجہ کے۔۔۔ یوں اس طرح اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایک دم سے چلے جانا کہاں کی

عقل مندی ہے حمدان۔۔۔ انکل آنٹی کا تو سوچو۔۔۔ وہ دونوں کیسے رہیں گے تمہارے بغیر۔۔۔ پاگل مت بنو چھوڑو یہ سب۔۔۔ میری بات سنو تم ایسے کس طرح جاسکتے ہو یہاں تمہارا پورا کیریر تباہ ہو جائے گا۔" صلہ نے اس کا بازو تھام کر اسے روکنا چاہا تھا۔ ایک پل کو تمام تر نرماہٹ حمدان کے پورے وجود میں اتر آئی تھی' لیکن اگلے ہی پل اس نرماہٹ پہ غصہ اور ضد غالب آگئی تھی۔ وہ اب بھی اسے اوروں کے لیے روک رہی تھی۔ ایک بار یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ میرے لیے رک جاؤ۔ میں کیسے رہوں گی تمہارے بنا' مگر نہیں حمدان رضا تم ہمیشہ خوش گمان ہی رہنا۔ تم آج بھی اس لیے دوست سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہو۔

"مجھے کسی چیز کی کوئی پروا نہیں ہے صلہ۔۔۔" اس نے تیزی سے اپنا بازو چھڑایا تھا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن میں مام اور ڈیڈ سے بہت شرمندہ ہوں کہ میں انہیں یوں اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں جبکہ انہیں اب میری زیادہ ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے اگر کبھی میں واپس آؤں تو صرف ان دونوں کے لیے ہی آؤں گا۔ ورنہ میرا واپس آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس نے ایک شرٹ گول مول کر کے سوٹ کیس میں پھینکی تھی اور کتنے ہی لفظ اس کی بات پہ صلہ کے لبوں پہ دم توڑ گئے تھے اور نکلا تھا تو صرف ایک لفظ۔۔۔

"کیوں۔۔۔"

"کیونکہ میں تھک گیا ہوں صلہ۔۔۔ میں تمہارے پیچھے آتے آتے تھک گیا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتے دلاتے تھک گیا ہوں۔۔۔ پر اس میں کسی کا کوئی قصور کوئی غلطی نہیں ہے۔ یہ سب میری غلطی ہے میرا قصور ہے تم خود کو قصوروار مت ٹھہراؤ کیونکہ تم نے تو کبھی مجھ سے محبت کی ہی نہیں۔۔۔ تم نے تو کبھی مجھے ایک دوست سے بڑھ کر کچھ سمجھا ہی نہیں۔۔۔ تم سے دوستی ہوئی میری غلطی تھی۔ تم سے وہاں پارک میں اچانک ملاقات ہوئی یہ میری غلطی تھی۔ تمہیں میں نے پہلی بار اپنے فیشن شو پہ بلایا اور تم آبھی گئیں یہ بھی میری غلطی تھی۔۔۔ پھر مجھے تم سے محبت ہو گئی صلہ۔۔۔ یہ تو واقعی میری ہی غلطی تھی' لیکن میں نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا تھا صلہ۔۔۔ بس پتا نہیں کیسے ہو گیا یہ سب یا شاید یہ سب ایسے ہی ہونا تھا۔۔۔ پھر میں جب لندن میں تھا تو وہاں میں نے تمہارے لیے وہ انگوٹھی خریدی۔۔۔ غلط کیا نا۔۔۔" پتا نہیں وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا۔ صلہ سمجھ نہیں پائی تھی' مگر صلہ کی آنکھوں میں نمی بڑھ رہی تھی۔

"تم نے کیا کیا اس انگوٹھی کے ساتھ۔۔۔ پہنی تو نہیں ہو گی۔ گٹر میں پھینکی یا سمندر میں بہادی۔۔۔" وہ اس وقت بے حد جذباتی ہو رہا تھا اور حمدان کا یہ روپ صلہ نے پہلی بار دیکھا تھا وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس نے اس انگوٹھی کے ساتھ کچھ نہیں کیا بلکہ بہت سنبھال کر رکھی ہے' لیکن وہ اسے کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔

"پھر تمہاری زندگی میں وہ سب ہوا۔۔۔ کیا وہ بھی میری غلطی تھی صلہ۔۔۔ میں تو ہر بار تمہارا منتظر تمہارے پاس آیا اور تم نے ہر بار مجھے پیچھے ہٹنے پہ مجبور کر دیا۔"

"تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو حمدان۔۔۔ تم ایک بار میری بات تو سنو۔۔۔ مجھے کچھ کہنے کا موقع تو دو۔" وہ رو پڑی تھی۔ وہ اس کی کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔

"اب کچھ بھی کہنے سننے کو باقی ہی نہیں رہا صلہ۔۔۔ تمہیں جو کہنا تھا۔ تم نے اس شام کہہ دیا تھا اور اس شام سے میں نے بہت سوچا صلہ۔۔۔ تب مجھے لگا کہ میرا یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔۔۔ اب پتا نہیں میں کبھی واپس آنا بھی ہوں یا نہیں۔۔۔ لیکن تم بے فکر رہو صلہ۔۔۔ اب میں تمہیں تنگ کرنے نہیں آؤں گا۔ ہاں افسوس ہے کہ تم ایک دوست کو کھو دو گی۔۔۔ لیکن شاید یہی بہتر ہے۔" اس نے دوسرا سوٹ کیس بھی بند کر کے رکھا تھا۔

"آج رات کو میری فلائٹ ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔۔۔" وہ اب اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ وہ تم

آنکھوں کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ تو کیا وہ اسے اب کبھی نہیں دیکھ پائے گی۔ یہ خیال اس کے دل کو ڈبو رہا تھا۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا دور کہیں گہرائیوں میں۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی، مگر کہہ نہیں پا رہی تھی اس کی کم ہمتی یہاں بھی غالب آگئی تھی یا حمدان کے چہرے پہ اس وقت کچھ ایسا تاثر تھا جو اسے کچھ بھی کہنے سے روک رہا تھا۔

"زندگی میں بھلے مجھے کبھی یاد نہ کرنا، مگر ایک بات یاد رکھنا کہ تم میری بہت پیاری دوست ہو اور میں نے تم سے بہت محبت کی ہے۔" وہ جاتے جاتے پلٹا تھا اور لمحہ بھر کو اس کے پاس رکا تھا اس کے گال پہ بہہ آنے والے آنسو کو اپنی پور پہ سنبھالا اور چلا گیا تھا۔

"آئی ایم سوری صلہ... میں نے اسے بہت سمجھایا... مگر اس نے میری ایک نہیں سنی۔ وہ ایسا ہی ہے۔ وہ بہت کم فیصلے کرتا ہے، لیکن جب کر لیتا ہے تو پھر پیچھے نہیں ہٹتا... آپ نے بہت دیر کر دی صلہ..." اس کے جانے کے بعد علی خاموش کھڑی صلہ کے پاس آیا تھا وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھیں اور دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے آنسو اب بھی اس کی پلکوں کو بھگوئے ہوئے تھے۔

"لیکن علی میں تو اسے یہ بتانے آئی تھی کہ میں اس کے سامنے ہار گئی ہوں۔ اس کی محبت نے مجھے ہرا دیا ہے، مگر اس نے میری کوئی بات سنی ہی نہیں بس اپنی کہی اور چلا گیا..." اس کی بات پہ علی نے دکھ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آج میں بہت خوش ہوں... میں یعنی کہ حمدان رضا جانتے ہیں نا آپ لوگ مجھے... اور میں خوش کیوں ہوں یقیناً" آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے تو میں بتاتا ہوں میں آج اس لیے خوش ہوں کہ آج میں نے صلہ کو اپنا بنا ہی لیا ہے... آپ تو جانتے ہیں نا کہ میں تھوڑا سا ضدی ہوں تو بس اپنی ضد منوا ہی لی... پر میری ایک بری عادت بھی ہے میرے ساتھ اگر سب اچھا ہو تو میں خوش رہتا ہوں، لیکن اگر تھوڑی بھی گڑبڑ ہونے لگے تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے مجھے کبھی زندگی میں کچھ ملا ہی نہیں اور یہ یقیناً" ناشکرا پن ہے جو میں اکثر کر جاتا ہوں حالانکہ اگر سوچوں تو مجھ پہ میرے اللہ کا ہمیشہ سے ہی خاص کرم رہا ہے... میں نے جو چاہا وہ ہمیشہ ہی بہترین انداز میں مجھے ملا ہے۔ جیسے اب صلہ کو چاہا تو آج اسے بھی پا لیا اور اس وقت وہ میرے کمرے میں میری دلہن بنی میرا انتظار کر رہی ہے۔ یہ سب اتنی اچانک کیسے ہوا تھوڑی لمبی کہانی ہے، مگر مختصراً" سناتا ہوں۔ اس شام یہ پاگل لڑکی مجھے روکنے آئی، لیکن کہہ نہ پائی اور میں غصے اور ضد میں اس کے آنسوؤں کا مطلب سمجھ نہیں پایا اور وہاں سے چلا آیا... اور وہ روتی رہی۔ مجھے آج بھی سوچ کر برا لگ رہا ہے کہ میں اسے روتا ہوا چھوڑ آیا تھا، میں وہاں سے گھر آیا تھا مجھے مام اور ڈیڈ سے ملنا تھا اور وہاں سے اپنا کچھ سامان بھی اٹھانا تھا۔ تب ہی ڈیڈ کے فون پہ علی کی کال آئی کیونکہ میں نے اپنا فون آف کر رکھا تھا۔ اسے مجھ سے کوئی ضروری بات کرنی تھی۔ اور اس کی وہ ضروری بات سن کر میری جو حالت ہوئی وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

وہ مجھے بتا رہا تھا کہ صلہ مجھے وہاں اپنے مان جانے کا بتانے آئی تھی اور میں نے اس کی سنی ہی نہیں اور یہ بات وہ اپنی اماں کو بھی بتا چکی تھی اور ڈیڈ بھی... کچھ ایسا ہی بتا رہے تھے کہ ابھی کچھ دیر پہلے ان لوگوں کی کال آئی تھی اور انہوں نے آج رات ڈنر پہ بلایا ہے۔ وہ لوگ میرے جانے کے بارے میں نہیں جانتے تھے تو اب لازمی مجھے رکنا ہی تھا اور اس دن سے آج ٹھیک دس دن بعد میرا اور صلہ کا نکاح ہوا تھا۔ بات صرف نکاح کی طے ہوئی تھی، مگر اس کی روٹھی صورت دیکھ کر مجھے رخصتی بھی کروانی ہی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ پاگل لڑکی شاید یہی سمجھ رہی تھی کہ سب نے مجھے زبردستی جانے سے روک لیا ہے اور میں اب بھی اس سے خفا ہوں۔ کیونکہ یہ گزرے دس دن میں نے اس سے بالکل کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی اس سے ملا تھا۔ یار، سمجھا کریں نا اپنے ادھورے پروجیکٹس مکمل

کروارہا تھا۔ سب کو مجھ پہ شک ہو گیا ہے کہ کہیں میں پھر سے "فانا" سب کچھ چھوڑ کر کہیں چلا نہ جاؤں کیونکہ میں ایسا ہی ہوں نا سر پھرا سا... مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ اور جلدی کام مکمل کروانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعد میں مجھے صلہ کے ساتھ لمبی چھٹیوں پہ بھی جانا تھا۔ اگر وہ مان جائے تو..." وہ کتنی ہی دیر سے وہاں بیٹھا خود اپنی ہی سوچ پہ مسکرا رہا تھا۔

"حمدان... تم ابھی تک یہیں بیٹھے ہو۔ اپنے کمرے میں جاؤ بیٹا... صلہ کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔"

ماما اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں شاید پانی لینے جا رہی تھی۔ اسے وہاں بیٹھا دیکھا تو رک گئی تھیں۔

"جی... جا رہا ہوں مام..." وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسے جاتا دیکھ کر وہ مطمئن سی کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اس کی نگاہ سامنے بیڈ پر پڑی تھی۔ جہاں پور پور سجی بیٹھی وہ اس کی ہی منتظر تھی۔ پہلے جب صرف نکاح ہونا تھا وہ قدرے سادگی سے تیار ہوئی تھی۔ مگر بعد میں جب رخصتی کا شور اٹھا تو اس کی کزنز اور بھابھی نے مل کر اسے پھر سے تیار کر دیا تھا اور اس وقت وہ ایک مکمل اور بھرپور دلہن بنی اس کے سامنے موجود تھی۔ جو صرف اس کی منتظر تھی۔ وہ ہر قسم کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر آج کے دن بھی وہ روتی ہوئی ملی تو وہ اس سے خوب جھگڑا کرے گا۔ اس کی آہٹ سے صلہ کے پورے وجود میں جیسے ایک وحشت اور خوف نے بسیرا کر لیا تھا۔ کیا کچھ نہ یاد آیا تھا اسے اس ایک آہٹ سے۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوف زدہ تھی اور اس اچانک ہونے والی رخصتی نے اس کی گھبراہٹ میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ آج کی رات اس پہ بہت بھاری گزرنی تھی یہ وہ جانتی تھی۔ بہت کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے اندر موجود ڈر اور خوف کو نکال نہیں پا رہی تھی۔ بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے حمدان نے ایک طائرانہ نگاہ پورے کمرے پہ ڈالی تھی۔ علی بے چارہ اتنے مختصر وقت اور جلدی میں جتنا کمرے کو سجا سکتا تھا اس نے خوب سجایا تھا۔ اس نے بیڈ کور اور سائیڈ ٹیبلز وغیرہ کو گلاب کی پتیوں سے سجا کر خوب صورت بنایا تھا اور جگہ جگہ پھولوں کے بکے بھی اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ اور جا بجا جلتی کینڈلز نے بھی ماحول کو خاصا رومانٹک بنا دیا تھا۔

"تم ٹھیک ہو صلہ۔" حمدان نے پل بھر میں اس کی گھبراہٹ کو محسوس کیا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور پور پور سجے زیورات نے بھی اپنی موجودگی کا خوب ہی احساس دلایا تھا۔ حمدان مسکرا دیا تھا۔ ایک آسودہ پر سکون مسکراہٹ... جو مقابل کو زیر کرنے کا ہنر خوب جانتی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ماتھے پہ جھولتی بندیا کو چھوا تھا۔ صلہ گھبرا کر پیچھے کو ہٹی تھی۔

"کیا ہوا..." حمدان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا اور پھر جیسے اسے پل میں اس کے اس ڈر اور خوف کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی۔

"میں بہت تھک گئی ہوں... سونا چاہتی ہوں... پلیز اگر تم مائنڈ نہ کرو تو۔"

جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ ابھی حمدان بھی اسے اسی طرح سب کہنے لگے گا اور گنوانے لگے گا کہ اس نے کس کس طرح اسے ہرٹ کیا اور دکھ دیا۔ جس طرح ایزد نے کیا تھا۔ لیکن وہ بھول گئی تھی کہ وہ حمدان رضا ہے۔ جس نے بہت شدتوں سے اسے اپنے رب سے مانگا ہے۔ تو اب بھلا وہ اس کی ناقدری کیسے کرے گا۔ لیکن صلہ کو ابھی بھی اس پہ یقین کرنے میں تھوڑا وقت لگنا تھا۔

"او، او ائے ناٹ شیور... تم آرام کرو... میں بھی کافی تھک گیا ہوں... میں ابھی آتا ہوں۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا یقیناً" وہ چاہتا تھا کہ وہ ریلیکس کرے۔ وہ اس کی موجودگی میں گھبرا رہی تھی اور واقعی میں اس کے جانے کے بعد صلہ کی سانسیں بحال ہوئی تھیں اور پھر فریش ہونے کے بعد وہ وہیں بیڈ کے کنارے ایک طرف سمٹ کر سو گئی تھی۔ چند گھنٹوں کا

وہ ڈرا بھی بھی دماغ پہ حاوی تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی کوئی آئے گا اور بازو سے پکڑ کر باہر نکال دے گا اور وہ پھر سے وہیں پہنچ جائے گی۔ جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔ یہی سب سوچتے سوچتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ نئی جگہ' نیا ماحول پھر بھی وہ کافی گہری نیند سو گئی تھی۔ پھر جانے کس احساس سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ بیڈ کے دوسرے کنارے کوئی کروٹ کے بل سو رہا تھا۔ وہ یقیناً" حمدان تھا۔ اس کی ڈسٹربنس (بے قراری) کے خیال سے وہ پتا نہیں کب خاموشی سے آکر سو گیا تھا اور اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ چند گھنٹوں کا وہ خوف جیسے کم ہونے لگا تھا اور دل کو جیسے حمدان کے خلوص پہ یقین سا آنے لگا تھا۔ اس نے اطمینان سے پھر آنکھیں موندلی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ جلد ہی اٹھ گئی تھی۔ جبکہ حمدان ابھی بے خبر سو رہا تھا۔ وہ فریش ہو کر آئی تھی تب ہی اسے حمدان کے جاگنے کا احساس ہوا تھا۔

"گڈ مارننگ ڈیئر۔۔۔ اپنے گھر میں پہلی صبح مبارک ہو۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ وہ جاگ چکا تھا مگر ابھی تک بیڈ پہ ہی تھا۔ اور مسکراتی اور چمکتی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی نگاہوں سے کنفیوز ہوتی رخ موڑ گئی تھی۔ جس ڈر اور وحشت نے رات بھر اس کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ اس وقت اس کا اثر نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ اس کا کترانا محسوس کر رہا تھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر گلاس ونڈو کے قریب جا کھڑا ہوا۔ جہاں سے صلہ کے کمرے کی بالکونی باآسانی نظر آیا کرتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ بالکونی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ وہ کچھ اور ہی دیکھ رہا تھا۔

"او مائی گاڈ۔۔۔" بے ساختہ ہی حمدان کے لبوں سے نکلا تھا۔

"کیا ہوا۔۔۔" بالوں میں برش کرتا اس کا ہاتھ وہیں تھم گیا تھا اور وہ رخ موڑے اسے دیکھنے لگی تھی۔ جو گلاس ونڈو کے باہر پتا نہیں کیا دیکھ رہا تھا۔

"ارجنٹ شادی کا رزلٹ۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کے پاس آکھڑی ہوئی تھی اور جب نگاہ ڈالی تو پتا لگا کہ گیٹ کے باہر میڈیا اور پریس کا ایک ہجوم اکٹھا تھا۔ جو سب حمدان سے بات کرنا چاہتے تھے۔ پتا نہیں انہیں کیسے پتا لگ گیا تھا۔ حالانکہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ ریسپشن پہ ان سب کو بلائے گا۔ مگر یہ پہلے ہی آموجود ہوئے تھے۔

"میں ابھی آتا ہوں یار۔۔۔" وہ دھیمے سے اس کے گال کو چھوتا اپنا موبائل تھامے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ صبح بے حد شاندار تھی۔ صلہ کو توقع سے بڑھ کر پذیرائی اور پیار ملا تھا وہ قدرے مطمئن ہوئی تھی۔ ماما نے اس کے لیے شاندار سا ناشتا بھجوایا تھا۔ تب ہی مرتضیٰ انکل نے ان سب کو بھی بلوالیا تھا اور پھر سب نے یہیں بیٹھ کر مل کر ناشتا کیا تھا۔ سب لوگ بہت خوش تھے۔ پریس والوں کو مرتضیٰ انکل نے کسی نہ کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا تھا۔ حمدان البتہ ان سے نہیں ملا تھا کیونکہ اس وقت وہ قطعی ان کے سوالوں کے جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ ڈیڈ نے ان سب کو ریسپشن میں انوائٹ کر لیا تھا اور دو دن بعد ولیمے کی تقریب کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ کیونکہ شادی سادگی سے ہوئی تھی تو ولیمے کی تقریب یقیناً" شاندار ہونی تھی۔ ناشتے کے بعد صلہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ بس وہ تھوڑی دیر تنہا رہنا چاہتی تھی۔ حمدان کا کمرہ بہت خوب صورتی سے ڈیکوریٹ تھا۔ کل رات کے سجائے گئے پھول اور بکے وغیرہ ابھی بھی موجود تھے۔ مگر ان سے ہٹ کر بھی اس کے کمرے کی تزئین و آرائش بہت نفیس طریقے سے کی گئی تھی۔ اس نے وہیں بیٹھ کر سارے کمرے کا جائزہ لے ڈالا تھا۔ وہ اس وقت کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی بس ایسے ہی وہاں بیٹھی تھی۔

"یہاں اکیلی بیٹھی کیا سوچ رہی ہو۔" تب ہی حمدان

اندر آیا تھا اور اس کے پاس ہی آبیٹھا تھا۔ وہ ابھی تک نائٹ سوٹ میں ہی ملبوس تھا اور اس بات پہ ابھی ابھی ڈیڈ سے ڈانٹ کھا کر اور خاصا احتجاج کر کے آیا تھا کہ آج کے بعد اسے نہ ڈانٹا جائے کیونکہ اب وہ بڑا ہو گیا ہے اور شادی شدہ بھی۔۔۔

"کچھ بھی نہیں' سوچ رہی بس یونہی بیٹھی ہوں۔" وہ ہولے سے بولی تھی واقعی وہ اس وقت کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی' لیکن اس وقت وہ کاپر کلر کے اسٹائلش سے سوٹ میں ملبوس حمدان کا دل مسلسل اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ یہ کلر اس پہ کافی سوٹ کر رہا تھا اور عرصہ ہوا حمدان نے اسے اس طرح سجے سنورے نہیں دیکھا تھا ورنہ تو اب وہ عموماً" سادہ ہی نظر آتی تھی۔ بالوں کو ڈھیلے سے کیچر میں جکڑے۔۔۔ وہ اس وقت وہی صلہ لگ رہی تھی جسے حمدان جانتا تھا جس پہ حمدان فدا ہوا تھا بالکل پہلے والی۔۔۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔۔۔" حمدان نے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تھا۔

"سچ بتاؤ صلہ۔۔۔ تم مجھ سے دور کیوں ہونا چاہتی تھیں۔ کیوں مجھے اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتی تھیں بالکل سچ بتانا صلہ۔۔۔ جو بھی ہے۔۔۔ میں سن سکتا ہوں۔" اس نے ابھی تک اس کا بازو تھام رکھا تھا اور نگاہیں اس کے چہرے پہ جمارکھی تھیں وہ کتنے ہی لمحے خاموش رہی تھی اور وہ شدت سے اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

"صلہ۔۔۔" حمدان نے پکارا تھا اور صلہ کا جیسے روم روم کان بن گیا تھا۔

"مجھے لگا تم مجھ سے ہمدردی کر رہے ہو ترس کھا رہے ہو مجھ پہ۔۔۔ کیونکہ میں اب خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتی تھی حمدان۔۔۔ تم اتنے اچھے ہو۔۔۔ اتنے مکمل۔۔۔ تمہیں کوئی بھی بہترین لڑکی مل سکتی تھی اور میں۔۔۔" وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔ وہ بہت غور سے اسے سن رہا تھا۔

"مجھ پہ جو داغ لگ چکا تھا اس کے بعد میرے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا۔ تمہیں سمجھانا۔۔۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کل کو تم میرے حوالے سے کچھ سنو اور پچھتانے لگو اور پھر تم بھی ایزد کی طرح کسی بھی بے بنیاد بات کو ایشو بنا کر مجھے ٹھکرا دو میں۔۔۔"

"تم مجھے ایسا سمجھتی ہو صلہ۔۔۔" وہ پتا نہیں کیا کہنا چاہ رہی تھی' لیکن حمدان نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ دی تھی۔ اسے واقعی برا لگا تھا کہ صلہ اسے اتنا ہی جان پائی تھی۔ وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی اسے یہی ڈر تھا کہ حمدان خفا ہو جائے گا اس لیے وہ اتنے دنوں سے یہ بات صرف سوچتی تھی کہہ نہیں پائی تھی۔

"تمہیں پتا ہے صلہ میرے دل میں تمہارے لیے محبت سے زیادہ عزت اور احترام ہے اور یہ کیوں ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے پاس سب رشتے تھے' مگر مجھے انہیں نبھانا نہیں آتا تھا اور رشتوں کو نبھانا اور ان سے محبت کرنا میں نے تم سے سیکھا ہے صلہ۔۔۔ پتا ہے کب؟ اس دن جب تم میرے گھر آئی تھیں اور ہم وہاں پول کے کنارے بیٹھے تھے' تمہیں یاد ہے؟" حمدان کے پوچھنے پہ اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اس دن تم نے مجھ سے بہت کچھ شیئر کیا تھا۔ یاد ہے۔۔۔ پتا ہے تب میں نے سوچا کہ تم کیسی لڑکی ہو جو اپنی بڑی سے بڑی خوشی سے بھی اتنی آسانی سے دستبردار ہو جاتی ہو اور چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور خواہشیں تو تمہارے لیے اہمیت ہی نہیں رکھتیں۔ صرف اس لیے کہ تم اپنے پیرنٹس کو خوش دیکھنا چاہتی ہو اور انہیں دکھ نہیں دینا چاہتیں۔۔۔ جبکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں لڑکیوں کے لیے چھوٹی چھوٹی خواہشیں اور خوشیاں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش ہو جاتی ہیں مجھے یاد ہے جب حمنہ کی شادی نہیں ہوئی تھی تو وہ چھوٹی اور معمولی باتوں کو لے کر اتنا واویلا مچاتی تھی کہ بس اور میں اور حنین بھائی چڑا کرتے تھے اور ڈیڈ اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے ہی اس کی بات کو پورا کرنا جیسے اپنا فرض سمجھتے تھے۔ تب ماما ہمیں سمجھاتی تھیں کہ لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے بہل جانے والی اور چھوٹی چھوٹی

خواہشوں کے پورا نہ ہونے پہ رونے والی۔۔۔ تب ہی اس دن میں نے سوچا کہ یار یہ کیسی لڑکی ہے کہ جو دوسروں کی غلطی کی سزا خود کو دے رہی ہے اور خوشی سے برداشت بھی کر رہی ہے۔ تب میرے دل میں تمہارے لیے محبت سے زیادہ احترام اور عزت آگئی تھی اور اسی دن میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میری زندگی میں کوئی لڑکی آئے گی تو وہ تم ہو گی' کیونکہ جو لڑکی رشتوں کا احترام اور انہیں نبھانا جانتی ہو تو وہ یقیناً میرے والدین کا بھی ایسے ہی احترام کرے گی اور مجھ سے وابستہ رشتوں کو بھی ایسے ہی نبھائے گی' مگر پھر جو ہوا وہ شاید ایک آزمائش تھی جو ہم دونوں ہی نبھا گئے اور بالآخر تم میرے پاس آگئیں ہمیشہ کے لیے میری بن کے۔۔۔ کیونکہ تم بنی ہی میرے لیے ہو تو تمہیں مجھ تک ہی آنا تھا پھر چاہے جیسے بھی حالات ہوتے۔۔۔" محبت نے دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامے اور اس کی پیشانی کو لمس بخشا تھا اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"اب تم رو تو مت نا۔۔۔" وہ جیسے الجھا تھا۔ اس کے رونے سے۔

"پتا ہے حمدان۔۔۔ جب میں چھوٹی تھی نا تو میں سوچا کرتی تھی کہ اللہ نے مجھے اتنا کچھ دے رکھا ہے۔۔۔ میرے پاس والدین ہیں۔۔۔ بہن بھائی ہیں۔۔۔ مجھے تو کوئی فکر ہی نہیں ہے' میں ہمیشہ اپنی من پسند اور من چاہی زندگی گزاروں گی' مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔۔۔ کبھی نہیں ہوا وہ دونوں اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہو گئے اور میں ہمیشہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کے بس خواب ہی دیکھتی رہی۔۔۔ پھر جب تم ملے تو تب تک میرا دل' خواہش کرنا اور آنکھیں خواب دیکھنا چھوڑ چکی تھیں' لیکن پھر بھی میں نے ایک خواب بننا چاہا تھا' مگر پھر وہ خواب بھی بیچ میں ہی ٹوٹ گیا اور صرف چبھن رہ گئی۔۔۔ بس اس لیے میں ڈرتی ہوں حمدان۔۔۔ میں خواب بننے اور من چاہی زندگی گزارنے سے ڈرتی ہوں حمدان۔۔۔" اس نے حمدان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں ایسے جکڑ لیے تھے جیسے اسے خوف ہو اسے کھونے کا۔۔۔

"صلہ۔۔۔ زندگی بہت بار ہمارا امتحان لیتی ہے' کبھی ہم کامیاب ہوتے ہیں اور کبھی نہیں۔۔۔ مگر ہارنے کے ڈر سے ہم آگے بڑھنا اور خواب دیکھنا چھوڑ نہیں سکتے۔ چلو ایک کام کرتے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔ صلہ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"ایسا کرتے ہیں ہم اپنی زندگی کے دو حصے کرتے ہیں' میرا حصہ تم لے لو۔۔۔ میرے حصے کی ساری خوشیاں' محبت' خواب اور اعتبار تم لے لو۔۔۔ اور اپنا حصہ مجھے دے دو۔۔۔ اپنے حصے کے سارے دکھ' خوف اور بے اعتباری مجھے دے دو۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا حصہ سنبھال کر رکھوں گا اور کبھی اس کا ذرا سا سایہ بھی تم پہ نہیں پڑنے دوں گا۔ بس تم وعدہ کرو کہ تم میرا حصہ بہت سنبھال کر رکھو گی۔"

"وعدہ۔۔۔" وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔ وہی جان لیوا مسکراہٹ جو اسے ہمیشہ جکڑ لیتی تھی۔ زیر کر دیتی تھی۔ وہ کھل کر ہنس دی تھی اور یہی ہنسی دیکھنے کا حمدان کا دل کب سے متمنی تھا۔

"بس اب تم دوبارہ کبھی رونا مت اور ہاں میں نے ایک پلان کیا ہے ہم کبھی چھٹیوں پہ جائیں گے۔۔۔ جب تم کہو گی تب۔۔۔" وہ اس کی شکل دیکھ کر فوراً ہی بولا تھا وہ بھی چھٹیوں کا سن کر ہی بوکھلا گئی تھی۔ ایک دوری' ایک جھجک اب بھی برقرار تھی۔

"وہاں میں اطمینان سے تمہیں اعتبار کرنا بھی سکھاؤں گا اور محبت کرنا بھی۔۔۔ کیا خیال ہے۔۔۔" وہ ذرا سا جھک کر اس سے کہہ رہا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے حمدان۔۔۔ میں تم پہ ابھی بھی اعتبار کرتی ہوں۔" وہ بمشکل ہی اس کی آنکھوں میں دیکھ پا رہی تھی وہاں کیا کچھ تھا اس وقت اسے زیر کرنے کو۔۔۔

"اور محبت۔۔۔" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ وہ بری طرح کنفیوز ہو گئی تھی کہ اسے کیا جواب دے کیونکہ محبت تو وہ بھی اس سے کرتی تھی اول روز سے شدید محبت بس کہنے سے گھبراتی تھی کیونکہ اسے کھونے سے ڈرتی تھی۔ وہ اب بھی منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ

رہا تھا۔ تب ہی بجتے ہوئے سیل فون نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی تھی اور اسے مجبوراً" اس طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔ دوسری طرف علی تھا۔ وہ اس سے ایکسکیوز کرتا اس کے ہاتھ چھوڑ کر اس کے پاس سے اٹھا تو صلہ کو اپنا پہلو روشنی سے خالی لگنے لگا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی رہی تھی اور اب کی بار وہ صرف اسے ہی سوچ رہی تھی۔

٭ ٭ ٭

ان کا ولیمہ بہت دھوم دھام سے شہر کے مشہور ہوٹل میں ہوا تھا۔ مہمانوں کا ایک ہجوم تھا اور وہاں حمدان نے ڈیڈ نے' مام نے سب سے اسے اتنے فخر اور محبت سے ملوایا تھا کہ وہ دل سے ان کے خلوص اور محبت کی قائل ہو گئی تھی۔۔۔ وہاں پریس اور میڈیا کے لوگوں کی بھرمار تھی اور موقع ملتے ہی وہ سارے ان کے گرد جمع ہو گئے تھے اور سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔ وہ حمدان کے اچانک ملک سے باہر جانے اور پھر یوں رک جانے اور پھر ایسے اچانک اس کی شادی کو لے کر ابھی بھی غیر مطمئن تھے اور حمدان مسکرا مسکرا انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ وہ دونوں ڈنر کے بعد گھر جانے کے لیے نکل ہی رہے تھے کہ انہوں نے انہیں گھیر لیا تھا اور ایک صحافی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ان کی معلومات کے مطابق صلہ کی پہلے بھی شادی ہو چکی ہے اور کہیں حمدان کے اپ سیٹ ہونے کے پیچھے یہی وجہ تو نہیں تھی۔ حمدان کا چہرہ پل بھر میں غصے سے سرخ ہو گیا تھا علی نے بمشکل اسے سنبھالا تھا اور صلہ بس خاموشی سے اس کے قریب کھڑی اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"دیکھیں ایک تو یہ انتہائی پرسنل سوال ہے اور میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ دوسرا یہ کہ میں ان لوگوں میں ہوں جو کل کی بجائے آج میں جینا زیادہ پسند کرتے ہیں اور جو میرا آج ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور یہی میرے لیے سب کچھ ہے۔"

وہ نہایت ضبط سے کڑے اور مضبوط لہجے میں بولا تھا اور پھر صلہ کا ہاتھ تھام کر اسے اس ہجوم سے نکال لایا تھا۔ البتہ پیچھے علی ابھی بھی موجود تھا۔ ان کے سوالوں کے جواب دینے کو۔

٭ ٭ ٭

آج ان کی شادی کو پورے پندرہ دن ہو گئے تھے اور ان گزرے پندرہ دنوں میں وہ پھر سے ایک دوسرے کے قریب آ گئے تھے۔ صلہ نے اس پہ اعتبار کرنا سیکھ لیا تھا اکثر وہ دونوں پول کے کنارے بیٹھ کر ڈھیروں باتیں کرتے تھے چھوٹی چھوٹی باتیں، بے معنی باتیں، مگر اب بھی ایک جھجک تھی جو ان دونوں کے درمیان موجود تھی ایک فاصلہ تھا جو اب بھی سمٹ نہیں پا رہا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی بیڈ شیئر کرتے تھے، مگر ایک دوسرے سے بہت فاصلے پہ۔۔۔ بس یہی ایک بات تھی ورنہ تو باقی سب ٹھیک تھا سب لوگ انہیں اس طرح خوش دیکھ کر بہت مطمئن تھے مام ڈیڈ۔۔۔ ماما بابا۔۔۔ سب لوگ بہت خوش تھے۔

حمدان کا لمبی چھٹیوں پہ جانے کا پلان ابھی تک پورا نہیں ہو پایا تھا کیونکہ آج کل وہ بہت مصروف رہنے لگا تھا۔ اس کی فیلڈ کچھ ایسی تھی کہ بعض اوقات وہ تھوڑا فری نظر آتا تھا، لیکن بعض اوقات وہ دن رات کی پروا کیے بنا بس کام کرتا تھا اور آج کل وہ یہی کر رہا تھا ہاں اب اس نے علی کے اپارٹمنٹ میں رہنا کم کر دیا تھا۔ اگر کام کی زیادتی کی وجہ سے اگر کبھی وہاں رکنا پڑ جائے تو اور بات تھی۔ ورنہ اب چاہے رات کو کتنی بھی دیر ہو جائے وہ سیدھا گھر ہی آتا تھا۔ اور صلہ جانتی تھی کہ ایسا وہ صرف اس کی خاطر کرتا ہے جیسی کل رات بھی اسے دیر سے آنا تھا اور صلہ کافی دیر تک اس کا انتظار کرنے کے بعد آخر کار سو گئی تھی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب ایک انجانے احساس کے تحت اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ حمدان کے انتہائی قریب لیٹی تھی اور وہ کروٹ کے بل کہنی کے سہارے لیٹا خاموشی سے جانے کتنی دیر سے اسے بس دیکھ رہا تھا۔ اس ایک پل

میں صلہ نے کیا کچھ نہ دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں وہ سرعت سے گھبرا کر پیچھے کو ہٹی تھی اور کمبل اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر وہ کروٹ بدل گئی تھی۔

"ایسی بھی کیا بے خبری کی نیند کہ انسان کو کچھ پتا ہی نہ لگے۔" اس کا دل ابھی تک دھڑک رہا تھا اور نیند آنکھوں سے اڑ چکی تھی جبکہ دوسری طرف حمدان اس کے طرز عمل پہ بری طرح چڑ گیا تھا۔

"ویسے... میرا تمہیں کھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" وہ اسی چڑچڑاہٹ سے بڑبڑا کر دوسری طرف کروٹ لے کر سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ جبکہ صلہ نے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر بھی ان سنی کر دی تھی۔ اس وقت تو ایسی گھبراہٹ طاری ہوئی تھی کہ حد نہیں جبکہ اب یہ بات سوچتے ہوئے صلہ کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ آج صلہ کی برتھ ڈے تھی اور ماما اور بابا چاہتے تھے کہ وہ آج کا دن ان کے ساتھ گزارے اور صلہ اس وقت وہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ مام اور ڈیڈ بھی اس کے ساتھ جا رہے تھے البتہ حمدان کچھ بزی تھا۔ اسے واپسی پہ وہیں آنا تھا۔ ان سب کا ڈنر اکٹھے کرنے کا پلان تھا اور حمدان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلدی آنے کی کوشش کرے گا... صلہ ریڈ کلر کا خوب صورت اسٹائلش سا ڈریس پہنے وہاں جانے کے لیے بالکل ریڈی تھی۔ ایک نگاہ خود پہ ڈال کر وہ مطمئن سی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ مام ڈیڈ کے ساتھ جب اپنے گھر آئی تو ماما اور بابا' عالیان کے ساتھ اس کا وہیں باہر ہی انتظار کر رہے تھے۔ بابا اس کو دیکھ کر فوراً" ہی اس کی طرف بڑھ آئے تھے۔

"کیسی ہے میری بیٹی..." انہوں نے محبت سے اسے خود سے لگا لیا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بابا... آپ کیسے ہیں۔" اس نے خود کو ان کے شفقت بھرے سینے میں سموئے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں... بس اپنی پیاری سی بیٹی کے بغیر تھوڑا سا اداس ہوں۔" وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"آپ مجھے بھی ملنے دیں گے اپنی بیٹی سے یا صرف خود ہی باتیں کیے جائیں گے۔" ماما بھی آگے بڑھ آئی تھیں۔ وہ بابا سے الگ ہو کر ان سے ملنے لگی تھی اور بابا... ڈیڈ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"حمدان نہیں آیا... کہاں ہے۔" وقت کے ساتھ ساتھ انہیں حمدان بھی اتنا ہی پیارا لگنے لگا تھا۔ جتنی صلہ لگتی تھی اس لیے وہ محبت اور فکرمندی سے ڈیڈ سے پوچھ رہے تھے۔

"وہ تھوڑا بزی ہے... اپنے کام میں... ڈنر تک آجائے گا۔" وہ ان کے ساتھ اندر بڑھتے جاتے ہوئے انہیں بتا رہے تھے وہ سب کے ساتھ اندر آگئی تھی... وہاں حماد بھائی اور بھابھی سے مل کر وہ وہیں ماما اور بابا کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ وہ اس وقت کافی خوش اور مطمئن لگ رہی تھی اور وہ دونوں اسے اس طرح خوش دیکھ کر اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ آج بابا نے اس کی تمام خواہشیں پوری کر دیں تھیں وہ اس کے لیے کیک بھی لائے تھے اور گفٹ بھی... وہ اس کی سالگرہ بالکل ایسے ہی سیلیبریٹ کر رہے تھے جیسے کبھی بچپن میں کرتے تھے اور اتنی محبتیں پا کر صلہ کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی ہیں تھیں۔

"آئی لو یو بابا" وہ ان کے گلے لگ گئی تھی۔

"آئی لو یو ٹو میری جان..." انہوں نے اسے خود سے لگا کر اس کے ماتھے پر پیار کیا تھا۔ اب تمام لوگوں کو بھی حمدان کا انتظار تھا کہ وہ آئے اور سب مل کر ڈنر کر سکیں اور کیک کاٹ سکیں کیونکہ صلہ اس کے بغیر کیک نہیں کاٹنا چاہتی تھی' مگر وہ تھا کہ فون اٹینڈ ہی نہیں کر رہا تھا۔

"صلہ... بیٹے فون کرو اسے... کہاں رہ گیا ہے... کہو سب انتظار کر رہے ہیں۔" وہ عالیان کے ساتھ باتیں کر رہی تھی تب ہی مام نے اسے پکارا تھا۔ وہ پھر سے اس کا نمبر ڈائل کرنے لگی تھی' مگر اب بھی وہی

جواب وہ جانتی تھی کہ وہ کام میں بزی ہو گا تو فون یقیناً" سائلنٹ پہ ہو گا، لیکن اب ایسی بھی کیا مصروفیت بندہ چند سیکنڈز کی کال تو ریسیو کر ہی سکتا ہے نہ یا ایک میسج۔۔۔۔ اس نے مام کے ہی کہنے پر علی کو کال کیا تھا اس نے بھی یہی کہا وہ ریکارڈنگ میں بزی ہے۔ فری ہو کے کال کرے گا اور اب سب اس کے منتظر تھے۔

"تھوڑی دیر اور ویٹ کرتے ہیں ماما۔۔۔۔ ورنہ پھر آپ ڈنر لگوا دیجیے گا۔" وہ ماما سے کہہ کر باہر لان میں نکل آئی تھی۔ چند لمحوں بعد صلہ نے پھر اس کا نمبر ڈائل کیا تھا اور اب کی بار حمدان نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"کہاں ہو تم حمدان۔۔۔۔ کب سے تمہیں فون کر رہی ہوں۔ کب آؤ گے۔" وہ اس کی آواز سنتے ہی بے تابی سے بولی تھی۔

"آئی ایم سوری یار۔۔۔۔ میں بچ میں اس وقت بہت بری طرح پھنسا ہوا ہوں۔ نہیں آسکوں گا۔۔۔۔ تم سب سے ایکسکیوز کر لو اور میرا ویٹ کرنے کی بجائے ڈنر کر لو آپ سب۔۔۔۔ پلیز صلہ برا مت ماننا یار۔۔۔۔" اس کے بیک گراؤنڈ سے آتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ کس قدر بزی ہے۔

"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں اپنا کام کرو۔" اس کے کہنے کی دیر تھی کہ حمدان نے عجلت میں فون بند کر دیا تھا۔ صلہ کا موڈ تھوڑا آف ہو گیا تھا۔ کیونکہ آج کا دن وہ اس کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ مگر اس کا کام ہر بار آڑے آجاتا تھا اور ابھی بھی یہی ہوا تھا۔ وہ یونہی لان میں ٹہلنے لگی تھی اور تب ہی اسے محسوس ہوا کہ گیٹ کے باہر کوئی گاڑی آکر رکی تھی۔ وہ حمدان کی منتظر تھی سو اس کا دھیان اسی طرف گیا کہ ہو سکتا ہے وہی ہو۔ لیکن باہر چوکیدار کسی سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے چھوٹا گیٹ کھول دیا تھا اور پنک کپڑوں میں ملبوس دو بچیاں گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھیں۔ وہ بچیاں کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھیں۔ مگر وہ فوراً" سے انہیں پہچان نہیں پائی تھی۔ مگر ان کے پیچھے آنے والی شخصیت کو وہ پل بھر میں پہچان گئی تھی۔

"زویا۔۔۔۔" بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آئی ایم ویری سوری۔ بابا جانی۔۔۔۔ پلیز مجھے معاف کر دیں" زویا۔۔۔۔ اپنے بابا کے گلے لگی بری طرح سے رو رہی تھی۔ بابا نے اسے محبت سے خود میں سمو لیا تھا۔ وہ بھی آبدیدہ ہو گئے تھے۔ پیچھے اس کی جڑواں بیٹیاں اپنے بابا کے دائیں بائیں سہمی کھڑی تھیں اور ان کے پاپا یعنی عمر اسرار۔۔۔۔ زویا کے شوہر آج بھی آنکھوں میں شرمندگی لیے کھڑے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ پچھلے گزرے سالوں میں جو کچھ ہوا اس میں وہ بھی برابر کے قصوروار تھے۔ مگر اس میں زیادہ قصور زویا کی جذباتیت اور ضدی طبیعت کا تھا۔۔۔۔ وہ اپنے والدین ایک حادثے میں کھو چکے تھے اور جب زویا کو دیکھا تو گویا پھر سے جی اٹھے تھے۔۔۔۔ اور پھر زویا احمد جیسے ان کی زندگی بن گئی اور پھر وہ اس کی ہر ضد اور ہر بات کے آگے ہار گئے اور اتنا بڑا قدم اٹھا لیا جو سب کے لیے دکھ کا باعث بنا۔

"میری بیٹی۔۔۔۔ میں تو تمہیں کب کا معاف کر چکا۔۔۔۔ بس خواہش تھی کہ ایک بار تو میرے پاس آؤ۔۔۔۔ اپنے بابا جانی کے گلے لگو اور مجھ سے بالکل اسی طرح معافی مانگو جیسے ان سارے حالات سے پہلے میرے خفا ہونے پر مانگتی تھیں۔۔۔۔ پر تم نے تو اپنے بابا جانی کو بھلا ہی دیا۔ تو میں نے بھی اپنا دل سخت کر لیا۔۔۔۔ پر آج تمہیں دیکھا تو پھر سے موم بن گیا۔" وہ کبھی رو رہے تھے اور کبھی ہنس رہے تھے۔

"یہ سب میری غلطی ہے بابا جانی۔۔۔۔ میں روز جیتی تھی۔۔۔۔ روز مرتی تھی۔ روز احساس جرم ہوتا تھا اور روز سوچتی تھی کہ آپ کے پاس آؤں مگر ڈرتی تھی کہ اگر آپ نے معاف نہ کیا تو۔۔۔۔ میں کیا کروں گی۔ کیسے برداشت کروں گی۔ مگر میں غلط تھی۔ آپ تو آج بھی میرے وہی بابا جانی ہیں۔ بس میں نے ہی دیر کر دی آنے میں۔۔۔۔ آئی ایم سوری بابا۔۔۔۔ آئی ایم ویری سوری۔" وہ اس وقت بالکل بچوں کی طرح ان سے لپٹی

کھڑی تھی اور رو رہی تھی۔

"اچھا بس کرو اب۔۔۔ تم نے تو ہم سب کو رلا دیا۔"

تب ہی حماد بھائی نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا تھا۔

"اب آپ بیٹی کو چھوڑیں اور داماد سے بھی مل لیں۔ بے چارہ کب سے سہما کھڑا ہے۔" ماما نے ان کی توجہ عمر بھائی کی طرف دلائی تھی تو بابا نے بے ساختہ ہی ان کی طرف بانہیں پھیلا دیں تھیں۔ وہ ادب سے جھک کر ان سے ملے تھے۔

"ویسے میرا داماد ہے بہت ہینڈسم۔۔۔" انہوں نے مسکرا کر عمر بھائی کو دیکھا تھا۔

"آخر ہے کس کی پسند۔۔۔" یہاں بھی زویا باز نہیں آئی تھی اور عمر بھائی جھینپ کر مسکرا دیے تھے۔ ایک مکمل پیار بھرا فیملی ماحول تھا۔ ایک ایسا ماحول جس کی ہمیشہ سے صلہ کی تمنا تھی صرف وہاں حمدان کی کمی تھی اور اب صلہ اسے بری طرح مس کر رہی تھی۔ ڈنر کے بعد سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے اور ڈنر کے بعد میٹھے میں صلہ نے سب کو وہ ہی کیک سرو کیا تھا۔ جو بابا اس کے لیے لائے تھے۔ اس نے اہتمام سے کیک نہیں کاٹا تھا کیونکہ وہ حمدان کے بغیر کاٹنا نہیں چاہتی تھی اور ابھی بھی وہ ایک طرف خاموش بیٹھی اس کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی تب ہی زویا اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔ وہ بہت دیر سے اس سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر جھجک بھی رہی تھی۔

"صلہ۔۔۔ حمدان کہاں ہے۔۔۔ آیا نہیں۔" زویا نے خیالوں میں گم صلہ سے پوچھا تھا۔

"ہاں وہ کام میں پھنس گیا تھا۔ اس لیے نہیں آ پایا۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"بھئی وہ بہت اچھا سنگر ہے۔ میری بچیاں اس کی بڑی فین ہیں۔"

"ہوں واقعی وہ بہت اچھا سنگر ہے اور بہت اچھا بہترین انسان بھی۔" وہ مسکرا کر بولی تھی اور اس کی مسکراہٹ میں ایک آسودگی چھلکتی تھی۔ جسے زویا نے فوراً ہی محسوس کیا تھا۔

"تم خوش ہو صلہ۔۔۔" زویا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"ہوں۔" وہ مختصراً" مسکرا کر بولی تھی۔

"پتا ہے صلہ۔۔۔ میں یہاں آنے سے پہلے بہت ڈری ہوئی تھی بہت شرمندہ تھی۔۔۔ بابا سے۔۔۔ ماما سے۔۔۔ اور خاص کر تم سے۔۔۔ کیونکہ میری وجہ سے بہت کچھ غلط ہوا اور تمہارے ساتھ جو کچھ گزرا وہ بھی میری غلطی تھی اور۔۔۔" وہ بہت رک رک کر بول رہی تھی۔ جیسے الفاظ کو ترتیب دے رہی ہو کہ صلہ کو برا بھی نہ لگے اور وہ اپنی بات بھی کہہ جائے۔

"زویا۔۔۔ جو کچھ ہوا وہ ایسے ہی ہونا تھا۔ تمہاری وجہ سے نہ ہوتا تو کوئی اور وجہ بنتی لیکن یہ سب پھر بھی ہوتا۔۔۔" اس نے ہاتھ میں تھامے کافی کے مگ کے کناروں پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا اور زویا اس کے مزید بولنے کی منتظر تھی۔

"مجھے بہت مشکل ہوئی وہ سب بھولنے میں۔۔۔ مگر میں اب وہ سب کچھ بھلا چکی ہوں۔۔۔ اور اب میں اپنی زندگی میں بہت خوش اور مطمئن ہوں اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم بھی وہ بھول جاؤ۔۔۔ کیونکہ وہ سب کچھ اتنا بھی اہم نہیں ہے کہ ہم اسے پوری زندگی یاد رکھیں۔۔۔"

"ہوں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" صلہ کے الفاظ نے جیسے اس کے سینے پر رکھی ایک بھاری سل کو سرکا دیا تھا اور اب وہ بالکل مطمئن تھی۔ بابا نے اسے معاف کر دیا تھا اور صلہ اپنی زندگی میں خوش تھی۔ اس کے لیے یہی بہت تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کے تقریباً" گیارہ بجنے والے تھے اور حمدان کا ابھی تک کہیں اتا پتا نہیں تھا اور اب تو اس کا فون بھی بند آ رہا تھا اور صلہ دل ہی دل میں اس سے ناراض ہو چکی تھی کیونکہ سب ہی لوگ شدت سے اس کا انتظار کر رہے تھے اور سب کو اس کے بغیر ہی ڈنر کرنا پڑا تھا اور اب ڈنر کے بعد چائے اور کافی کے ساتھ سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ڈیڈ کئی بار اس کے نہ آنے کی وجہ سے بابا سے معذرت کر چکے تھے کہ

کہیں انہیں برا نہ لگ جائے۔ لیکن گزرتے وقت نے بابا کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ غیر ذمہ دار قطعی نہیں ہے اور یقیناً" کہیں کام میں پھنسا ہوگا اور اس لیے انہیں بالکل بھی برا نہیں لگا تھا۔ مگر صلہ کو برا لگ رہا تھا کیونکہ آج وہ دل سے چاہتی تھی کہ یہاں وہ بھی سب کے درمیان ہو تا مگر وہ پتا نہیں کہاں مصروف تھا۔ زویا کی بچیوں کو نیند آرہی تھی تو وہ انہیں سلانے اندر کمرے میں لے گئی تو صلہ بھی اس کے درمیان سے اٹھ کر کمرے میں چلی آئی تھی۔ وہ چند لمحے یوں ہی بے دھیانی سے بیڈ پہ بیٹھی رہی تھی۔ تب ہی اس کے موبائل پہ میسج ٹیون بجی تھی۔

"صلہ... فوراً" باہر آؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

میسج حمدان کا تھا۔ وہ نا سمجھتے ہوئے باہر بالکونی میں نکل آئی تھی۔ بلیو اسپورٹس کار گیٹ کے بالکل پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ اندر آنے کی بجائے اسے نیچے کیوں بلا رہا ہے... وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔ تب ہی اس کی کال آنے لگی تھی۔ صلہ نے جیسے ہی کال بیک کی۔ اس نے وہی بات دہرائی تھی۔

"مگر کیوں... کیا ہوا ہے؟"

"اف صلہ... باتوں میں ٹائم ویسٹ مت کرو۔ فوراً" نیچے آؤ۔" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"مجھے نہیں آنا تمہارے ساتھ... تم اندر آجاؤ۔"

وہ اس سے ناراض تھی اور یہ بات اسے سمجھنی چاہیے تھی۔ لیکن اسے جانے کس بات کی جلدی تھی۔

"تم باہر آتی ہو... یا میں اندر آکے زبردستی تمہیں اٹھا کر لاؤں۔" اور اس دھمکی کے بعد صلہ کو یقیناً" باہر آنا ہی پڑا تھا۔ کیونکہ حمدان سے کوئی بعید نہیں تھا وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس نے عجلت میں بھابھی کو میسج ٹائپ کیا تھا اور انہیں حمدان کے ساتھ جانے کا بتایا تھا اور باہر نکل آئی تھی۔ جہاں وہ بے صبری سے اس کے انتظار میں ہارن پہ ہارن بجا رہا تھا۔

"کیا بات ہے... کیوں شور مچا رکھا ہے۔" وہ گاڑی میں بیٹھ کر کچھ خفگی سے بولی تھی۔ لیکن حمدان نے بنا کوئی جواب دیے گاڑی اسٹارٹ کر کے فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی تھی۔ جیسے اسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہو۔

"اتنا تو بتادو... ہم اس وقت جا کہاں رہے ہیں۔" صلہ کو اس کی خاموشی سے بے چینی ہو رہی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر میں پتا چل جائے صلہ..." اس کی پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز تھی کیونکہ سڑک پہ کافی رش تھا۔

"تم آئے کیوں نہیں آج... سب کتنا انتظار کر رہے تھے تمہارا اور جانتے ہو... سب سے زیادہ میں نے تمہارا انتظار کیا..."

"اور یہ کیا ہے..." تب ہی اس نظر ڈیش بورڈ پہ پڑے لفافے پہ پڑی تھی تو اس نے حمدان سے پوچھ لیا تھا۔

"خود... دیکھ لو۔" وہ مبہم سا مسکرایا تھا۔ صلہ نے لفافہ اٹھا کر کھول لیا تھا۔ اس کے اندر دو ٹکٹس تھے دبئی کے۔ مسٹر اور مسز حمدان رضا کے نام سے...

"یہ..." وہ کیا کہنا چاہتی تھی حمدان جانتا تھا۔

"کل رات 11 بجے کی فلائٹ سے ہم دونوں دبئی جا رہے ہیں اور پھر وہاں سے جہاں تم کہو۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہم وہاں چلے جائیں گے۔ کیونکہ اگلے چند ماہ تک میں بالکل فری ہوں اور میں یہ وقت صرف تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔" وہ اطمینان سے بتا رہا تھا۔

"مگر... میں..." وہ حسب توقع بوکھلا گئی تھی۔

"اب اگر تم نے کچھ بھی کہا نہ صلہ... تو سچ کہہ رہا ہوں کہ یا تو میں یہ گاڑی ٹکرا دوں گا یا پھر سچ میں، میں اکیلا ہی کہیں چلا جاؤں گا... پھر ڈھونڈتی پھرنا۔" وہ حسب توقع چڑ گیا تھا۔

"فضول باتیں مت کرو... میں تو کچھ بھی نہیں کہہ رہی صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ میں اتنے کم ٹائم میں تیاری کیسے کروں گی جانے کی۔" اس نے اپنی پریشانی اسے بتائی تھی اور سچ میں وہ اس وقت صرف یہی سوچ کر پریشان تھی۔

"یہاں سے جانے کے بعد اور کل کا پورا دن بہت

ٹائم ہے تمہارے پاس۔۔۔ آرام سے تیاری کرتی رہنا۔" اس نے تسلی دی تھی تاکہ وہ یہ سوچ کر پریشان نہ ہوتی رہے۔

"مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"لو پہنچ گئے ہم۔۔۔ آجاؤ۔" اس نے گاڑی ایک ہوٹل کی پارکنگ میں پارک کی اور اس کا ہاتھ تھام کر اتر آیا تھا۔ وہ اسے لے کر ہوٹل کے ٹاپ فلور پہ آیا تھا۔ وہ فلور پورا خالی پڑا تھا۔ بے انتہا خوب صورتی سے سجا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کسی تقریب کے لیے سجایا گیا ہے۔ صلہ کی آنکھوں میں ستائش اتر آئی تھی۔ وہ ابھی تک اس کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔

"پسند آیا۔۔۔" اس کی سرگوشی صلہ نے باغور سنی تھی۔

"بہت زیادہ۔۔۔ بہت خوب صورت ارینجمنٹ ہے۔ مگر ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔" وہ اب بھی نہیں سمجھی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے صلہ۔۔۔ دیکھو ابھی بارہ نہیں بجے۔" اس نے دھیمے سے اسے وش کرتے ہوئے اپنی کلائی اس کے سامنے کی تھی۔ جہاں گھڑی میں اس وقت گیارہ بج کر 25 منٹ ہوئے تھے۔

"تمہاری شادی کے بعد یہ تمہاری پہلی سالگرہ ہے اور میں اسے بہت خاص انداز میں منانا چاہتا تھا۔ اس لیے یہ سب کچھ صرف تمہارے لیے۔۔۔ یہ پورا فلور میں نے خود کھڑے ہو کے ڈیکوریٹ کروایا ہے۔ صرف تمہارے لیے۔۔۔ اور میں پورا دن یہیں مصروف تھا اس لیے وہاں نہیں آیا۔۔۔ تمہیں اچھا لگا۔" وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا اور صلہ کے پاس جیسے الفاظ ہی ختم ہوگئے تھے۔ اس کی محبت کے آگے تمام الفاظ کم لگنے لگے تھے۔

"بہت زیادہ۔۔۔ تھینک یو سو مچ حمدان۔" اس کی آواز جیسے بھیگ سی گئی تھی۔ اس رات کو حمدان نے اس کے لیے بہت خوب صورت بنادیا تھا۔ وہ اس کی زندگی کی یادگار ترین سالگرہ تھی۔ خوب صورت ترین رات تھی۔ اس رات صلہ کا پور پور جیسے حمدان کی محبت میں ڈوب گیا تھا اور حمدان کا پورا وجود جیسے کان بن گیا تھا کہ صلہ آج تو ایک بار کہہ دے کہ ہاں میں بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں۔ جتنی تم کرتے ہو۔ مگر صلہ نے نہیں کہا تھا اور حمدان اب بھی منتظر تھا۔ وہ اس رات تقریباً ایک بجے تک وہاں رہے تھے اور پھر گھر آگئے تھے۔ کیونکہ انہیں کل جانے کی تیاری بھی کرنی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج لندن کی یخ بستہ سردی اور کہر آلود موسم میں ان کا پہلا دن تھا۔۔۔ وہ سالگرہ کے اگلے دن دبئی اور دبئی سے سعودی عرب گئے تھے۔ جہاں انہوں نے عمرے کی سعادت حاصل کی تھی اور رب کے حضور سربسجود ہو کر شکر ادا کیا تھا اور آج وہ وہاں سے لندن پہنچے تھے۔ یہاں انہیں حمدان کے اپارٹمنٹ میں رہنا تھا۔ مگر خراب موسم کی وجہ سے وہ وہاں تک نہیں جاسکتے تھے کیونکہ وہ اپارٹمنٹ ایئرپورٹ سے بہت دور تھا اور مسلسل ہوتی برف باری میں وہاں تک پہنچنا ناگزیر تھا اور کچھ حمدان کو صلہ کا خیال تھا کہ کہیں اسے ٹھنڈ نہ لگ جائے۔ کیونکہ وہ پہلی بار یہاں آئی تھی اور موسم کی سختی کو پہلی بار برداشت کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ سو اسے یہی مناسب لگا کہ وہ آج کی رات یہیں کسی قریبی ہوٹل میں گزاریں اور کل صبح ہوتے ہی وہاں سے جائیں۔ سو اس نے ایئرپورٹ کے سب سے قریبی ہوٹل میں ایک روم لے لیا تھا۔ ڈنر کا ٹائم ہوچکا تھا۔ انہوں نے وہیں ڈائننگ ہال میں ہی ڈنر کرلیا تھا۔ اب وہ لوگ لابی سے گزر کر اپنے روم کی طرف جارہے تھے۔ ان کا روم اوپر کی منزل پر تھا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے صلہ اس سے دو قدم پیچھے تھی تب ہی سیڑھیوں سے اترتی دو لڑکیوں نے حمدان کو پہچان لیا تھا اور اب اس سے بات کررہی تھیں۔ صلہ وہیں رک کر اس کے فری ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی۔ مگر جب کافی دیر گزر گئی اور ان لڑکیوں کی باتیں اور حرکتیں اس کے

ضبط کا امتحان لینے لگی تو وہ حمدان کے برابر آ کھڑی ہوئی تھی۔

"حمدان' روم میں چلیں۔۔۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔" اس نے حمدان کا بازو تھام کر جس لہجے اور انداز میں کہا تھا۔ حمدان کو بس ایک پل لگا تھا سمجھنے میں کہ اسے برا لگ رہا ہے۔ اس نے فوراً" ہی ان لڑکیوں سے ایکسکیوز کیا تھا اور وہ لڑکیاں صلہ کو دیکھ کر اور اس کا تعارف پا کر خود ہی پیچھے ہٹ گئی تھیں اور کمرے میں آ کر جس طرح صلہ نے اپنا شولڈر بیگ اور کوٹ صوفے پہ پٹخا تھا۔ حمدان نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔ وہ کچھ بھی بولے بنا فریش ہونے باتھ روم میں چلا گیا تھا اور وہاں جا کر دل کھول کر ہنسا تھا اور جب باہر آیا تو بڑی سنجیدہ صورت بنا کر بستر میں جا لیٹا تھا۔ وہ اسے کڑی نگاہوں سے دیکھتی فریش ہونے چلی گئی تھی۔

"میں نے تجھے دیکھا۔۔۔ صبح کے اجالوں میں۔۔۔
لمحوں میں۔۔۔ سالوں میں۔۔۔ پیار کرنے والوں میں۔۔۔
جنون میں۔۔۔ خیالوں میں۔۔۔
جتنی تو ملتی جائے۔۔۔ اتنی لگے تھوڑی تھوڑی۔۔۔
سوہنیا۔۔۔"

اس نے ایک نظر حمدان پر ڈالی۔۔۔ جو بستر پہ نیم دراز اسے ہی دیکھ رہا تھا اور بجتے میوزک کی آواز یقیناً" اس کے سیل فون سے آ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے شیشے کی طرف رخ کیے بالوں میں برش کرنے لگی تھی۔

"کیا ہوا صلہ۔۔۔ اتنی خاموش کیوں ہو۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔ ٹھنڈ تو نہیں لگ رہی۔۔۔" وہ اب واقعی فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

"اگر برا لگا ہے تو کچھ کہے تو سہی۔۔۔ اتنی خاموش کیوں ہو گئی ہے۔" یہ حمدان نے سوچا تھا۔۔۔ کہا نہیں تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔۔۔ ٹھیک ہوں میں۔۔۔" وہ اب بھی رخ موڑے کھڑی تھی اور حمدان اس کی پشت پہ بکھرے بالوں کی خوشبو کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے دل میں شدت سے اس خوشبو کو قریب سے محسوس کرنے کی۔۔۔ انہیں چھونے کی خواہش ابھری تھی۔ مگر اس نے خود پہ ضبط کے کڑے پہرے بٹھا رکھے تھے۔

"نہیں۔۔۔ وہ اپنی خوشی سے میرے پاس آئے گی۔" یہ اس کا خود سے وعدہ تھا اور وہ وعدہ خلاف قطعی نہیں تھا اور دوسری طرف صلہ سوچ رہی تھی کہ آج اسے اتنا برا کیوں لگا ہے۔ حالانکہ اب وہ ان باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ وہ اور حمدان جہاں بھی جاتے تھے۔ لوگ ایسے ہی اس کے پاس آتے تھے۔۔۔ اس سے ملتے تھے۔۔۔ تصویریں بنواتے تھے۔ آٹوگراف لیتے تھے اور وہ خوشی اور فخر سے سب دیکھتی تھی۔

"تو پھر آج کیوں۔۔۔" وہ خود ہی حیران تھی اپنی بدلی ہوئی کیفیت پہ۔۔۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کیا محسوس ہو رہا ہے۔

"تو کیا میں جیلس ہو رہی ہوں۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے خود ہی اپنی نفی کی تھی۔ میوزک کی آواز اب بھی دھیمی دھیمی کمرے میں گونج رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو صلہ۔۔۔ سو جاؤ تھک گئی ہو گی۔" حمدان نے بمشکل اس سے نگاہیں چرائی تھیں اور تکیے ٹھیک کر کے سونے لیٹا تھا۔ تب ہی وہ پاس آ کے لیٹی تھی اور لحاف اوڑھتے ہوئے حمدان نے پھر سے اس کی خوشبو کو قریب سے محسوس کیا تھا۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔

"کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔۔۔ ہے نہ صلہ۔۔۔" وہ سونے کے لیے لیٹی تو چند لمحوں بعد اسے قریب ہی حمدان کی شرارت سے بھرپور آواز سنائی دی تھی۔

"تو کیا وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ ان دو لڑکیوں سے جیلس ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔۔۔ میرا دل جل رہا ہے۔۔۔ یہی سننا چاہ رہے ہو نا۔۔۔ بس اب خوش۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔ کیونکہ اس کی شرارت مسلسل اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھی اور اب اس کا قہقہہ رہے سہے حواس خطا کر گیا تھا۔ وہ خاموشی سے لیٹی کچھ سوچ رہی تھی۔

"اس دن اگر میں چلا جاتا اور کبھی پلٹ کر نہ آتا تو

صلہ... تم نے مجھے روکا کیوں نہیں تھا۔" کئی دنوں سے دل میں دبی بات آج لبوں پہ آگئی تھی۔

"میں آئی تھی تمہارے پاس... مگر تم نے میری کوئی بات سنی ہی نہیں اور بس اپنی ہی کہتے رہے اور چلے گئے تو میں کیا کرتی۔" صلہ نے اس کی طرف کروٹ لے کر نیم اندھیرے میں اس کے نقوش کو دیکھا تھا۔

"تم نے یہ کب کہا تھا... ایک بار بھی کہ مت جاؤ... میں تمہارے لیے آئی ہوں۔ تمہیں روکنے... صرف ایک بار کہتیں... پھر دیکھتیں کہ میں کیسے جاتا... پھر میں صرف تمہیں سنتا... اور سب کچھ بھول جاتا۔" اس کی دھیمی آواز ایک سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ اس نے دھیرے سے اس کے چہرے پہ بکھر آنے والے بالوں کو ہولے سے سمیٹا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو... اتنا مشکل سوال تو نہیں کیا میں نے۔"

"اب میں کبھی بھی تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گی۔" اور حمدان کو اپنے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تھے اور اس رات پہلی بار صلہ نے خود سے بے تکلفی سے اس کے سینے پہ سر رکھا تھا۔ اس نے مان لیا تھا کہ وہ آج وہ سچ مچ ان لڑکیوں سے جیلس ہو گئی تھی اور حمدان پہلے تو اس کی کایا پلٹ پہ حیران ہوا تھا۔ مگر پھر اس نے بمشکل اپنا قہقہہ ضبط کرتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا اب وہ اس خوشبو کو قریب سے محسوس کر سکتا تھا۔

کہ دل جھوم... جھوم چلے... جھوم چلے... سونیا۔ میوزک ابھی بج رہا تھا... چاند کہاں تھا نہیں معلوم... ستارے تو آس پاس ہی گر رہے تھے اور باہر برف ابھی بھی گر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

صلہ نے ایک نظر حبہ اور حمدان پر ڈالی... وہ دونوں بے خبر سو رہے تھے۔ وہ محبت سے انہیں دیکھتی... مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی آئی تھی۔ آپ نے

یقیناً" مجھے اور حمدان کو تو پہچان لیا ہو گا مگر آپ سوچ رہے ہوں گے کہ حبہ کون؟ حبہ حمدان یعنی میری اور حمدان کی بیٹی جو آج پورے ایک ماہ کی ہو گئی ہے۔ اور سب کو جی جان سے پیاری ہے وہ۔۔۔ ٹھہریئے میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتی ہوں۔ جب میں اور حمدان ورلڈ ٹور پہ گئے تو وہاں ہمیں حبہ کے آنے کی خوش خبری ملی اور ہمیں سب کے اصرار پہ اپنا ٹرپ مختصر کر کے جلد ہی واپس آنا پڑا۔ حمدان تھوڑا بد مزا ہوا تھا مگر خوش بھی بہت تھا اور پھر آج سے ٹھیک ایک ماہ پہلے حبہ کی پیدائش ٹھیک اسی ڈیٹ کو ہوئی جو حمدان کی ڈیٹ آف برتھ ہے اور اس بات کو لے کر بھی وہ بہت خوش ہے اور حبہ کا نام بھی اسی نے رکھا ہے۔ حبہ یعنی تحفہ اور واقعی وہ ہمارے لیے اللہ کا دیا ہوا خوب صورت تحفہ ہی تو ہے۔ حمدان آج بھی بالکل ویسا ہی ہے۔ پرخلوص اور محبت کرنے والا۔۔۔ میوزک آج بھی اس کا جنون ہے اور ہاں وہ آج بھی اکثر اپنا نائٹ سوٹ بدلنا بھول جاتا ہے۔ پہلے اسے یاد کروانا ڈیڈ کی ڈیوٹی تھی اور اب یہ میری ذمہ داری ہے۔ میں آج بھی ویسی ہی ہوں۔ ذرا سی کم ہمت مگر ہاں اب میں بھی پہلے سے بہت زیادہ پر اعتماد ہو گئی ہوں اور یہ سارا کریڈٹ حمدان کو جاتا ہے۔ میں اب اس پہ خود سے بڑھ کر اعتبار کرتی ہوں اور محبت بھی۔۔۔ مگر آج بھی اس سے کہنے سے جھجکتی ہوں اور وہ آج بھی اس بات پہ چڑتا ہے اور ہاں آج کل میں اس کا نیا البم ریلیز ہونا والا ہے۔ جو کہ حمدان مرتضیٰ رضا کے نام سے آنے والا ہے اور یہ بات صرف میں اور حمدان ہی جانتے ہیں اور یہ یقیناً" مام اور ڈیڈ کے لیے ایک سرپرائز ہے اور وہ دونوں یقیناً" اس سرپرائز سے بہت خوش ہوں گے۔

اس نے ملازمہ کے ساتھ ناشتا لگواتے ہوئے کتنا کچھ سوچ ڈالا تھا اور لبوں پہ بہت پیاری مسکراہٹ ابھی بھی موجود تھی۔ تب ہی مام اور ڈیڈ چلے آئے تھے۔

"حبہ سو رہی ہے بیٹا۔" مام نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی مام۔۔۔ ساری رات جگایا اس نے۔۔۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی سوئی ہے۔" صلہ نے انہیں بتایا تھا۔

"اور حمدان بھی یقیناً" ابھی تک سو رہا ہو گا۔" ڈیڈ نے اپنے سامنے اخبار پھیلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ڈیڈ میں نے نیچے آتے ہوئے اسے اٹھایا تھا۔ ہو سکتا ہے جاگ گیا ہو۔ میں دیکھتی ہوں جا کر۔" اس نے جوس کا گلاس ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں پلیز بیٹا۔۔۔ دیکھو جا کر۔۔۔ آج آفس میں بہت ضروری میٹنگ ہے۔ جس میں اس کا شریک ہونا لازمی ہے۔۔۔ بتایا بھی تھا اسے۔۔۔ مگر برخوردار کو کچھ یاد تھوڑی رہتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ابھی جاگ جائے گا۔" مام نے انہیں توس تھماتے ہوئے کہا تھا۔

"جاؤ بیٹا تم دیکھو جا کر۔۔۔" ساتھ ہی انہوں نے صلہ سے کہا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔

"اسے کہنا نائٹ سوٹ بدل لے۔" ڈیڈ نے حسب معمول یاد دہانی کروائی تھی۔ صلہ کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

"آپ بھی نا کمال کرتے ہیں۔۔۔ اب تو اس طرح اسے ڈانٹنا چھوڑ دیں۔۔۔ بیٹی کا باپ بن گیا ہے وہ۔۔۔ حد کرتے ہیں آپ بھی۔" مام نے تاسف سے انہیں دیکھا تھا۔

"ہاں اور اب بھی بیٹی سے ذرا تھوڑی ہی بڑا ہے وہ۔۔۔" ان کے اس طرح کہنے پہ مام بھی ہنس پڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"او تو پرنس ابھی تک سو رہے ہیں۔" صلہ کو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے حسب توقع منظر دیکھنے کو ملا تھا۔ اس نے حبہ کو دیکھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ وہ دبے پاؤں چلتی حمدان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ

اوندھے منہ بے خبر سو رہا تھا۔

"حمدان۔۔۔" اس نے دھیمے سے پکارا تھا۔ مبادا کہیں حبہ نہ جاگ جائے۔ مگر وہ اسی طرح بے خبر رہا تھا۔

"حمدان۔۔۔ اٹھ جائیں دیر ہو گئی ہے۔ ڈیڈ ناشتے پہ انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے کمبل سمیٹ کر ایک طرف کیا تھا۔۔۔ جو آدھا بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا اور آدھا اس کے اوپر تھا۔۔۔ وہ ذرا سا کسمسایا تھا۔ ایسی ہی گہری نیند سوتا تھا وہ۔ اور یہ بات صلہ اب اچھی طرح جان گئی تھی۔

"کیا ہے یار۔۔۔ سونے دو نا۔۔۔ ابھی تو سویا تھا۔" تیسری بار پکارنے پہ وہ نیند بھری آواز میں بولا تھا۔

"ہوں۔۔۔ سوری۔۔۔ جانتی ہوں۔ مگر ڈیڈ آفس جانے کے لیے انتظار کر رہے ہیں۔ سو اٹھنا تو پڑے گا۔" کتنی خوب صورت دلکش صبح تھی یہ۔۔۔ وہ مسکراتی ہوئی اس کے سامنے تھی۔ اس کی آنکھوں میں خمار بھر آیا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔" صلہ بیڈ کے کنارے پہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

"دیکھ رہا ہوں آخر تم میں ایسا کیا ہے۔۔۔ جو یوں مجھے تمہاری طرف کھینچتا ہے۔" وہ اب اٹھ بیٹھا تھا۔۔۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"پھر کیا نظر آیا۔۔۔" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔۔۔"

"کیا مطلب۔" صلہ نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چھپی شرارت کو وہ سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔

"سوچوں تو ہزاروں خوب صورت لڑکیاں تھیں۔ جو میرے ارد گرد رہتی تھیں۔ اور صرف میرے ایک اشارے کی منتظر تھیں۔ مگر میں یہاں پھنس گیا۔" وہ تاسف سے کہتا۔ کمبل پرے ہٹاتا۔۔۔ بیڈ سے ٹانگیں لٹکائے اٹھنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"تو کر لیتے نا۔۔۔ ان ہزاروں خوب صورت لڑکیوں میں سے کسی ایک سے شادی۔۔۔ کیوں پھنسے یہاں۔۔۔" اس نے اٹھتے ہوئے حمدان کا بازو تھام کر اسے اٹھنے سے روکا تھا۔

"ہوں۔۔۔ کر لیتا۔۔۔ پر کیا کرتا۔۔۔ میں یہاں پھنس گیا۔۔۔ میرا دل یہاں پھنس گیا۔۔۔ اور مجھے یہاں محبت ہو گئی تو کیا کرتا پھنسا پڑا یہاں۔۔۔ اب تم ہی بتاؤ کیسے نکلوں اس سحر سے۔۔۔" اس نے اپنے بازو پہ رکھے صلہ کے ہاتھ کو تھام کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ بے ترتیب سی بیٹھی تھی۔ بمشکل خود کو اس پہ گرنے سے روک پائی تھی۔

"بہت برے ہو تم حمدان۔۔۔ شرم کرو کچھ ایک بیٹی ہے ہماری اب۔۔۔" اس سے کوئی بات نہ بن پائی تو یہی کہہ دیا۔

"ہوں۔۔۔ جانتا ہوں اور میری بیٹی یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ اس کے پاپا کتنے اچھے ہیں اور اس کی ماما سے کتنی محبت کرتے ہیں اور وہ جانتی ہے کہ اس کی ماما کتنی بری ہیں۔"

اس نے باتوں باتوں میں اس کے گرد اپنا بازو بڑی چالاکی سے پھیلا لیا تھا اور وہ محسوس ہی نہیں کر پائی تھی۔ ورنہ وہ صبح صبح کے اس رومانس سے بہت چڑتی تھی۔

"کیوں! ماما کیوں بری ہیں؟" وہ یقیناً" برا مان گئی تھی۔ کیونکہ سال کے 365 دنوں میں 365 بار تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور تم اتنی کنجوس ہو کہ آج تک ایک بار بھی نہیں کہا۔۔۔ ایک بار تو کہہ دو یار!" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھی اور صلہ ہمیشہ کی طرح گڑبڑائی تھی کہ کیا کہے اور کیسے کہے لیکن اسے کہنا تھا۔۔۔ اور اسے بتانا تھا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتی ہے۔ مگر کیسے کہے۔۔۔

"بولو نا صلہ۔۔۔ میں سننا چاہتا ہوں۔" وہ اب بھی کہہ رہا تھا اور وہ پریشان۔۔۔

"بہت زیادہ... بہت زیادہ محبت کی ہے میں نے تم سے... تمہارے سوچ سے بھی کہیں آگے..." یہ صلہ کہہ رہی تھی اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ "یہ سچ ہے حمدان کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنے ماں باپ کے علاوہ کسی کو چاہا ہے اور کسی کو پانے کی خواہش کی ہے تو وہ تم ہو... میں سمجھتی تھی کہ محبت لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی مگر آج سمجھ آیا کہ تم جیسے بے صبرے شوہر کے سامنے کبھی کبھی کہہ دینا چاہیے..." حمدان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"آرام سے حبہ جاگ جائے گی..." اس نے تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔ "اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تم سے محبت میں... میں نے بہت کم کھویا ہے اور بہت زیادہ پایا ہے اور اس بات سے میں مطمئن ہوں... بہت خوش ہوں... مجھے فخر ہے کہ میں نے ایک ایسے انسان سے محبت کی جو محبت کرنا بھی جانتا ہے اور نبھانا بھی اور جسے رشتوں کو نبھانا آتا ہے... اتنا کافی ہے یا اور کہوں۔"

آخر میں وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔ اسے خود یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے اتنی آسانی سے یہ سب کہہ دیا ہے اور حمدان بس دم بخود سا اسے سن رہا تھا۔

"کہتی رہو۔ میں سن رہا ہوں اور ہمیشہ بس یہی سنتے رہنا چاہتا ہوں۔" وہ ذرا سا اس کی طرف جھکا تھا۔ آنکھوں میں وہی چمک تھی اور لبوں پہ وہی جان لیوا مسکراہٹ جو صلہ کو زیر کر دیتی تھی۔ اور آج تک کرتی آرہی تھی... اور آج سے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں تھا کہ وہ واقعی میں دل سے زیر ہو چکی تھی... ہار چکی ہے... حمدان رضا سے...

"حمدان... ڈیڈ نیچے انتظار کر رہے ہیں۔" صلہ کی یاددہانی نے یقیناً" اسے بدمزا کیا تھا۔

"جا رہا ہوں یار..." وہ سستی سے کہہ کر اٹھ کر فریش ہونے گیا تو صلہ مسکراتے ہوئے نیند میں کسمساتی حبہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"میں نے اپنے حصے کا آسمان پا ہی لیا۔" اس نے حبہ کو تھپکتے ہوئے سوچا تھا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ ہر انسان کو اس کے حصے کی زمین تو مل ہی جاتی ہے مگر آسمان مشکل سے ملتا ہے۔ حالانکہ خوب صورت تاروں بھرا آسمان تو زندگی کی علامت ہے۔ اور ہر انسان کا حق بھی... رشتے بنانا بہت آسان ہوتا ہے۔ مگر انہیں نبھانا ایک فن ہے... جو کسی... کسی کو آتا ہے... جیسے دوستی جیسا سادہ رشتہ بنانا بہت آسان ہے... لیکن اسے نبھانا بعض اوقات بہت مشکل لگنے لگتا ہے... اسی طرح تمام رشتے ہم سے پورا انصاف مانگتے ہیں اور صلہ اور حمدان نے انہیں نبھانے کا فن بھی سیکھ ہی لیا تھا... اور ہمیں حقیقت میں رشتوں کو اسپیس دینا آنا چاہیے... جیسے ان دونوں کو آتا ہے۔

جیسے مرتضیٰ انکل نے حمدان کو سمجھا اور اسے وہ سب کچھ دیا جس کی توقع وہ صرف اپنے پاپا سے کر سکتا تھا۔ مگر مرتضیٰ انکل نے بخوبی اس رشتے کو نبھایا اور یوں حمدان کو ان کی اہمیت اور ان کی محبت کو اپنی زندگی میں جگہ دینی پڑی... جیسے صلہ نے اپنے والدین کو سمجھا... ان کے احساسات اور جذبات کو سمجھا اور انہیں وہ سب کچھ دیا جس کی تمام والدین اپنے اولاد سے توقع کرتے ہیں... اس نے ان کی ہر خوشی اور خواہشوں کو حکم سمجھ کر پورا کیا... یوں انہیں صلہ کی محبت کا احساس ہوا اور انہوں نے اس کا موزانہ زویا سے کرنا چھوڑ دیا... اور پھر وقت نے دیکھا کہ صلہ نے کیا کچھ پایا... سب ہی رشتے اہم ہیں... بس انہیں اپنی اپنی جگہ نبھانا آنا چاہیے... اور ان دونوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی پرورش ان ہی خطوط پہ کریں گے ان شاء اللہ... کیونکہ ہر انسان کو اس کے حصے کی زمین کے ساتھ ساتھ آسمان بھی ملنا چاہیے... جیسے صلہ کو ملا حمدان رضا کی صورت...

✡ ✡